سلسلۂ مشاہیر اسلام

نمبر ۲

ابوبکر شبلی

یعنی

حضرت شیخ ابوبکر دُلف بن جحدر شبلی رحمہ اللہ کے سوانح عمری
آپکا تصوف اور آپکے اخلاق۔ عادات۔ جذبات۔ تعلیمات اور اقوال بلاغت

مؤلفہ
مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مؤلف تاریخ سندھ و تاریخ
ارض مقدس و جنید بغدادی و مصنف ناولہائے ملک العزیز و رجنا
ایام عرب۔ فتح اندلس و فردوس بریں وغیرہ وغیرہ

سنہ ۱۹۰۷ء میں
دلگداز پریس لکھنؤ میں چھپکے شائع ہوئی

ڈیڈیکیشن

چونکہ دولت آصفیہ حیدرآباد دکن سے ہرفن اور ہر
[illegible] سرپرستی کو جو دلچسپی ہے مگر عالیجناب یمین السلطنت مہاراجہ
سرکشن پرشاد بہادر شاد پیشکار و مدارالمہام سرکار عالی دام اقبالہ
کو جو خاص دلچسپی فن تصوف سے اور جیسی عقیدت بزرگان صوفیہ
سے ہے اسکے لحاظ سے مین اپنا فرض تصور کرکے اس کتاب
کو بلحاظ ادب جناب محتشم الیہ کے نام نامی سے معنون
کرتا ہون۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار۔ محمد عبدالحلیم شرر

التماس

سلسلۂ مشاہیر اسلام کا یہ دوسرا نمبر قدردانون کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس مین حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ کے حالات درج ہین۔ اور امید ہے کہ یہ نمبر پہلے سے زیادہ دلچسپ ثابت ہوگا۔

ناظرین کو بادی النظر مین صرف چھپوانے کی دشواریان نظر آتی ہین۔ اِس بات کا اندازہ نہین ہو سکتا کہ ہر لائف کے مرتب کرنے مین کس قدر ورق گردانی اور دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے۔ پھر اِس پر جب کتابون کے تلاش کرنے اور بہم پہونچانے کی زحمت بھی اضافہ ہو جاتی ہے تو مصنف کے سر ناقابل برداشت بوجھ پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ہمین ناشکری نہ کرنی چاہیے شمس العلما مولانا شبلی نعمانی۔ نواب سید علی حسن خان صاحب بہادر۔ اور مولانا محمد عبدالباری صاحب فرنگی محلی۔ نے کتابون کے مرحمت فرمانے مین نہایت فیاضی سے کام لیا ہے۔ لیکن پورا فائدہ اُسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے جب کتاب اپنے کتب خانے مین ہو۔ اور جب ہمیشہ فرصت کے وقت فراغت و اطمینان سے اُس پر نظر ڈالی جا سکے۔ الغرض اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے ترتیب و تدوین کی محنت اور چھپوانے کے مصارف کے علاوہ خرید کتب کا بھی ایک بہت بڑا بار مصنف کے سر ہے۔ اور وہ اسی طرح اُٹھایا جا سکتا ہے کہ قدردان اس سلسلے کی اشاعت مین جان و دل اور سچے شوق سے کوشش فرمائین۔

سب سے زیادہ قابل شکریہ وہ فیاض رؤسا و بزرگان قوم ہین جنھون نے

این طائفہ اند اہل تحقیق — باقی ہمہ خویشتن پرستند
فانی زخود و بدوست باقی — این طرفہ کہ نیستند و ہستند

تمہید

ہجرت نبوی صلعم کی تیسری صدی کے رُبع اخیر مین ایک دن کا واقعہ ہے۔ دار السلام بغداد دولہن بنا ہوا ہے۔ عباسی خلیفہ امیر المومنین المعتضد باللہ کے کسی جشن کی تیاریان ہو رہی ہین عیش و عشرت کی چہلین ہین۔ اور شان و شوکت کے کرشمے نظر آ رہے ہین۔ تمام اعیان ملک شاہی جشن مین شریک ہونے اور نذرین پیش کرنے کے لیے طلب کیے گئے ہین جو حاضرِ دربارِ خلافت ہو کے آداب بجا لائے ہین۔ اور گران بہا خلعتون سے سرفراز ہو کے عباسی سریرِ شہریاری کے سامنے مودّب کھڑے ہوئے ہین۔

اتنے مین اتفاقاً کسی بدنصیب والیِ مُلک کو چھینک آ گئی۔ اور ناک سے کچھ واہیات

نکل پڑی۔ رومال اس وقت موجود نہ تھا۔ گھبرا کے اُسی خلعت کے دامن سے جو ابھی ابھی مرحمت ہوا تھا ناک کرلی۔ شامت اعمال سے یہ بدتمیزی کی حرکت خلیفہ نے دیکھ لی تو اُعتاب ہوا حسب فرمانِ خلافت وہ گراں بہا خلعت چھین لیا گیا۔ گورنری کی خدمت سے بھی معزول ہوا۔ اور بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکالا گیا۔

خلیفہ کے اس عتاب اور برہمی کو دیکھ کے کُل حاضرین دربار کانپ گئے۔ اور خائف تھے کہ کہیں ہم سے بھی کوئی بدتمیزی کی حرکت نہ صادر ہو جائے۔ سارے دربار پر سناٹا طاری تھا۔ اور سب سہمے ہوئے اپنے اپنے انجام پر غور کر رہے تھے۔ مگر انھیں مین ایک صاحبِ دل پاک طینت اور خدا ترس رئیس زادہ بھی تھا جو نہاوند کی ولایت پر سرفراز تھا۔ اس عتابِ شہنشاہی نے اُس کے دل مین بجاے دُنیوی انجام کے ایک دوسری فکر پیدا کر دی یعنی نورِ ہدایت نے اس خیال کی طرف مائل کیا کہ "ایک دُنیوی بادشاہ کے خلعت کی بے وقعتی کرنے کی تو یہ سزا ہے۔ لیکن وہ شخص جو سارے عالم کے خالق (اللہ جل شانہ) کے خلعت (یعنی خلعت زندگی) کی بے وقعتی کرے اور اُسے ناپاک کر دے اُسکی کیا سزا ہوگی؟" یہ خیال آنا تھا کہ دل دنیاوی دولت وحشمت اور اس چند روزہ جاہ وجلال کی طرف سے کھٹا ہو گیا۔ فوراً استعفا لکھ کے بارگاہ خلافت مین پیش کر دیا۔ نہاوند کی حکومت کو آگ لگائی۔ ملازمت سے آزادی حاصل کی۔ اور کسی ایسے پاک باطن شیخِ زمانہ کی تلاش مین چل کھڑا ہوا جس کے ہاتھ پر توبہ کرے۔ اور جس کی تعلیم وتلقین سے یقین وعرفان کی بارگاہِ ازلی مین رسوخ حاصل کرے[۵]۔

---

[۵] تذکرۃ الاولیا۔ ۱۰۰۶

یہ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے نعرۂ مستانہ کی صدا آج تک میدانِ
معرفت میں گونج رہی ہے جن کا ذوق و شوق قیامت تک سرمستانِ بادۂ وحدت
کے دلوں میں عشق کی گرمجوشی پیدا کرتا رہے گا جن کے نقشِ قدم کو منزلِ حقیقت
کے رہنورد دیکھتے ہوئے پہنچتے ہیں۔ اور جن کے مبارک حالات سے ہم ان چند
اوراق کو برکت دینا چاہتے ہیں۔

ولادت۔ خاندان اور تعلیم

آپ کا پورا نام ... لقب ابو بکر دلف بن جحدر شبلی ہے بعض مورخین جعفر بن
یونس بتاتے ہیں۔ چنانچہ یہی نام آپ کے سنگِ تربت پر کندہ تھا۔ بعض اہلِ روایت
... آپ کے پدر بزرگوار کا نام بجائے جحدر کے جعفر تھا۔ جو ہمارے خیال میں صرف
... ہونے کا نتیجہ ہے۔ آپ کا لقب شبلی شبلہ نام ایک گاؤں سے نکلا ہو جو
آپ کے خاندان کا اصلی مسکن تھا۔ یہ قریہ شہر اسروشنہ کے مضافات میں تھا۔ اور
اسروشنہ ماوراء النہر میں سمرقند سے آگے بڑھ کے ایک بڑا شہر تھا یہ ترکستانی علاقہ
جو فرغانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اُن دنوں والی خراسان کے حلقۂ اقتدارات میں تھا۔
اور اسی وجہ سے عام مورخین آپ کو خراسانی الاصل بتاتے ہیں۔ ورنہ سچ پوچھیے تو
آپ ترکی الاصل تھے۔ مگر طرہ یہ کہ سب کے خلاف ایک روایت یہ بھی ہے کہ
آپ کا خاندان مصر سے آیا تھا

خیر یہ خوش اقبال خاندان چاہے جہاں کا ہو۔ آپ کی ولادت سے پیشتر ہی السلام

---

۱ ابن خلکان جلد اول۔ ۲۲۵ ۲ نفحات الانس صفحہ ۱۷۴ ۳ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔

بغداد میں آکے آباد ہو گیا تھا۔ اور قریب قریب تمام اہل سیر کو اتفاق ہے کہ آپ نے بغداد
میں نشو و نما پایا۔ اور وہیں آپ کی ولادت بھی ہوئی۔ لیکن طبقات سلمی میں ہے کہ آپ
سامرہ میں پیدا ہوئے[عہ]۔

گو یہ روایت سب کے خلاف اور بہ اصطلاح محدثین غریب ہے لیکن قیاس یہی چاہتا
ہے کہ آپ سامرہ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار خلیفہ زمانہ کے دربار
میں حاجب الحجاب یعنی عرض بیگی کی معزز خدمت پر مامور تھے۔ اور سنہ وفات اور عمر کا
حساب لگانے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۲۴۷ھ میں ہوئی جس سال کہ
متوکل باللہ عباسی جو پندرہ سال سے مسند نشین خلافت تھا اپنے بیٹے المنتصر کی سازش
کے نتیجے میں خاص اپنے ترکی غلاموں کے ہاتھ سے کمال بے رحمی کے ساتھ سامرہ میں مارا
گیا[عہ]۔ ان دنوں چونکہ دربار خلافت عباسی کا مرکز و مستقر بجائے بغداد کے سامرہ تھا لہذا ضرور
ہے کہ آپ کے والد ماجد بھی اپنے فرائض منصبی بجا لانے کے لیے سامرہ ہی میں قیام رکھتے ہوں
متوکل باللہ کو بنی فاطمہ سے سخت عداوت تھی۔ یہاں تک کہ ۲۳۶ھ میں اُس نے
حکم جاری کر دیا کہ کربلائے معلی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت پاک اور وہیں کے
گرد و پیش کے مکانات کھود کے برابر کر دیے جائیں۔ اور اُن کی زمین پر ہل چلا دیا
جائے۔ اُس کے دربار میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کی تضحیک و توہین کی
جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی صحبت میں ایک دن ایک مخنث کو پیٹ پر تکیہ باندھ کے
حضرت علی کی نقل اور ان پاک کا تمسخر کرتے دیکھ کے اُس کے بیٹے المنتصر سے بھی نہ رہا گیا۔
اور بے ساختہ کہا امیر المومنین علی آپ کے ابن عم اور آپ کے گھرانے کے بزرگ اور آپ کے

عہ نفحات الانس ص ۱۳۰ و ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۵۔ عہ ابن اثیر۔ جلد ۷۔ ص ۲۹-۳۰۔

سرمایۂ نازش تھی۔ اگر آپ ان کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں تو خیر مگر اس کے گوشت
کو نہ کھائیے۔ اس آزادی کا اس صحبت میں تو کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ مگر اسی کا اثر تھا کہ ایک
طرف تو المتوکل کے دل میں بیٹے کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف
بیٹا المنتصر اس کے قتل کے لیے سازشیں کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی کی ولادت کے ساتھ ہی ایک ایسے عالم و تہذیب اور رحمت
بادشاہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کو ہم اس امر کا ایک قدرتی اشارہ خیال کرتے ہیں
کہ آپ کی ذات بابرکات سے دین اسلام کو بڑے دینی اور روحانی فائدے پہونچنے والے
تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جب ہم اس امر کا لحاظ کرتے ہیں کہ ۲۴۵ھ میں ولی زمانہ
حضرت ذوالنون مصری اور صوفی بے ہمتا شیخ ابو تراب نخشبی کا انتقال ہو چکا تھا تو
معلوم ہوتا ہے کہ خداوند جل وعلا نے آپ کی ولادت باسعادت سے دنیائے اسلام
میں کتنی بڑی کمی کو پورا کر دیا۔

آپ کے خاندان کا پتہ لگانے کے لیے ہم نے کتب تاریخ کے بہت ورق الٹے اولیا
و مشائخ کی سیرۃ لکھنے والوں نے یہ تک بتایا ہے کہ آپ کے والد ماجد خلافت کے معزز
اور سربرآوردہ لوگوں میں تھے حتیٰ کہ حاجب الحجاب دربار کی اعلیٰ ترین خدمت ان کے
سپرد تھی مگر تاریخ کی کتابوں سے بغیر درایت و قیاس سے کام لینے کے ہمیں کچھ ثبوت نہیں
مل سکتا تاہم آپ کا نام دُلف ایسا انوکھا اور غیر مروج نام ہے کہ اس سے کسی نہ کسی قدر
پتہ ضرور لگ جاتا ہے جو بہت کچھ قرین قیاس ہے۔

تاریخ میں حیثیت اس نام کا صرف ایک ہی خاندان نظر آتا ہے جس کا

ت ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۱ ۲۴۵ھ تاریخ ... جلد ۷ ص ۱۵

ابتدائی ظہور مامون رشید کے عہد مین ہوا تھا عیسیٰ بن ماہان کے ساتھ جو لوگ طاہر کے مقابلے کو گئے تھے اُن مین ابو دُلف نام ایک نامور شخص تھا جس کا قیام ہمدان کے قریب کرخ نام ایک قریہ مین تھا۔ عیسیٰ کے مارے جانے کے بعد ابو دُلف مذکور پھر کرخ مین جا کے خاموش بیٹھ رہا۔ طاہر نے خط بھیج کے اُسے اپنے ساتھ ملانا چاہا تو اُس نے جواب دیا کہ مین نے اب ارادہ کر لیا ہے کہ کسی کی بھی طرفداری نہ کرون۔ یہ امر مامون کو ناگوار ہوا کہ سلطنت کی امانت سے انکار کرنا کیا معنی۔ چنانچہ اپنے دور حکومت کے زمانے مین اُسے بلوایا۔ اُسکی خطا معاف کی۔ اور وہ پھر کرخ مین جا کے خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ابو دُلف کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے عبد العزیز کو خود مختار بننے کا شوق ہوا۔ اور جب سرکش غلامان ترک نے خلیفہ المستعین کے موجود ہوتے المعتز کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو عبد العزیز بن ابو دُلف نے اصلی خلیفہ المستعین کا ساتھ دیا۔ المستعین نے اس کے صلے مین اُسے خلعت سے سرفراز کیا۔ اور علاقہ جبل اور اصفہان کی حکومت اُس کے ہاتھ مین دیدی۔ المعتز نے رجب ۲۵۳ھ مین نئے پُرجوش باغیون کی ۲۰ ہزار فوج پر موسیٰ بن بغا نام ترکی غلام کو افسر مقرر کر کے عبد العزیز کے مقابلے کو بھیجا۔ شہر ہمدان کے باہر لڑائی ہوئی۔ اور عبد العزیز شکست کھا کے اپنے مستقر کرخ مین چلا گیا۔ ابن بغا کے مقدمۃ الجیش کا سردار مفلح کرخ پہونچا اور عبد العزیز کو اُس کے گھر کے دروازے پر بھی شکست دی۔ اب عبد العزیز نے بھاگ کے نہاوند کے قلعے مین پناہ لی۔ اِس کے چند روز بعد ابن بغا سے اور اُس سے ایک اور مقابلہ ہوا۔ اور اب بھی عبد العزیز کی قسمت نے ناساعدت کی۔ مگر یاد جود ان شکستون کے نہاوند وغیرہ اُسی کے قبضے مین رہے۔ عبد العزیز کے مرنے

سنہ ۲۵۵ھ — ابن خلدون۔ جلد ۳ ۲۵۵۔

اُس کا بیٹا دُلف جانشین ہوا۔ اسنے قاسم بن صباح نے آ کے شکست دی جس کے باعث دُلف کی زندگی ہی مین خاندان ابو دُلف کے خیر خواہون نے اُس کے بھائی احمد بن عبد العزیز بن ابو دُلف کو اپنا سرگروہ بنا کے ۲۶۵ھ مین بھائی کا جانشین کیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اِس خاندان کا ستارہ پھر چمک گیا۔

اِن دنون عمرو بن لیث صفار نے خراسان وغیرہ مین ایسا زور پکڑ لیا تھا کہ خلافت کے مقبوضات پر بھی اپنا قبضہ قائم کر رہا تھا۔ اُس نے احمد بن عبد العزیز بن ابو دُلف کو اپنی طرف سے والی صفہان مقرر کیا۔ بغداد کے سریر خلافت پر اب المعتمد تھا۔ اُس نے بجائے اِس کے کہ احمد بن عبد العزیز سے کوئی باز پرس کرتا اپنی طرف سے بھی ۲۶۶ھ مین اُسے حاکم صفہان بنا دیا۔ اور یون احمد ایک ایسا عجیب وغریب گورنر بن گیا جو ایک ہی مُلک پر دو مخالف فرمان رواؤن کا نائب تھا۔ ۲۶۹ھ مین کغلیغ ترکی اُس کے مقابلے کو آیا۔ اور شکست کھا کے واپس گیا۔ اور شاید اسی مہم کی ضرورت سے ۲۷۳ھ مین عمرو لیث نے اُسے روپیہ بھیجا تھا۔ ۲۸۰ھ مین احمد بن عبد العزیز نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کے دو بھائی عمر اور بکیر مشترک والی مقرر کیے گئے جنھون نے آخر مین خلافت بغداد کی حمایت کی یعنی المعتضد کی جانب داری مین عمرو بن لیث کے بھائی رافع بن لیث سے لڑے۔ مگر شکست کھائی۔ اِس کے بعد ۲۸۱ھ مین المعتضد باللہ نے عمر بن عبد العزیز کو والی صفہان ونہاوند وکرخ مقرر کیا۔ پھر چند روز جھگڑے ہوئے۔ لیکن اب عمر بن عبد العزیز بن ابو دُلف کی وقعت اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ۲۸۳ھ مین جب وہ بغداد میں آیا

؎۱ ابن خلدون۔ جلد ثالث ۲۵۵ و ۲۹۶۔

توخلافت کی جانب سے بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے اُس کا استقبال کیا گیا۔ اور خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا[۴]۔

اِن واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی جن کا نام نامی دُلف تھا اسی خاندان کے کوئی رُکن رکین تھے دُلف اور جحدر ترکی نام ہین اور قرینہ قیاس ہے کہ ان دنون ان نو مسلم خاندانون مین دو نام رکھے جاتے ہون۔ ایک اصلی خاندانی اور قومی۔ اور دوسرا عربی جسے اسلامی نام کہنا چاہیے۔ اسی تعدد اسامی نے لوگون کو دھوکا دیا۔ اور اختلاف روایت پیدا ہوا۔ لہذا آپ کا نام غالباً دُلف بھی ہے۔ اور جعفر بھی۔ اور آپ کے والد کا نام جحدر بھی اور یونس بھی۔ اصلی بانی خاندان کا نام نہین معلوم صرف کنیت ابو دُلف بتائی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ دُلف نام اُسکا کوئی بیٹا ضرور تھا اور کیا عجب کہ ابو دُلف ہی کا نام جحدر ہو۔ لہذا بظن غالب حضرت ابو بکر شبلی عبد العزیز بن ابو دُلف کے بھائی تھے۔ اور اپنے عزیز دون کی طرف سے حسب فرمان خلافت یا نیابتہً نہاوند کی گورنری کرتے تھے۔

علاوہ برین جب یہ امر کتب سیر مین موجود ہے کہ آپ نہاوند کے گورنر تھے اور والد حاجب خلافت تھے تو یہ قیاس اور یقینی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ المستعین کے زمانے مین پہلے عرض بیگی یعنی حاجب اعظم کی خدمت پر وصیف نام ایک غلام مقرر تھا۔ اور اُسی کو جبل و اصفہان کی گورنری بھی دی گئی تھی۔ پھر جب عبد العزیز بن ابو دلف نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی تو وہ اُسی وصیف کا قائم مقام مقرر کیا گیا[۵]۔ اور اس طرح یہ دونون خدمتین بنی دُلف مین آگئین۔

---

[۴] ابن اثیر جلد ۷ – ۱۵۱ و ۱۵۴ و ۱۵۰ – [۵] مرآۃ الجنان یافعی حالات ۲۵۳ھ [۶] ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۹۹

حضرت ابو بکر شبلی کسی عالم (فقیہ یا صوفی) و صاحب باطن شیخ کے گھر میں نہیں پیدا
ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ایک ترکی سردار اور نامی گرامی امیر گھرانے کے نونہال تھے۔ لہذا
آپ کی بچپن کی تربیت و تعلیم کا حال بالکل نہیں معلوم ہو سکتا کیونکہ کتب رجال و سیر میں خدا کی
عبادات کے دکھانے کی جس قدر کوشش کی گئی ہے علما، فضلا اور محدثین و اتقیا
جن پر [illegible] سامرا اور روسا کا طبقہ [illegible] زبان درازوں کے علما و
مصنفین کی اس توجہ سے اکثر محروم رہا ہے۔ آپ کے قرابت داروں میں بھی کوئی
ایسے بزرگ تھے جیسے کہ جناب جنیدؒ کے عزیزوں میں حضرت سری سقطی تھے۔ کہ ان کی
وجہ سے اسی میں کبھی کبھی آپ کی صورت نظر آجاتی۔

جو کچھ معلوم ہو سکا صرف اس قدر ہے کہ چونکہ آپ کا خاندان فقہ مالکیہ کا پیرو
تھا اور اسی گروہ میں آپ بھی تھے[۱] لہذا ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ مالکیہ پڑھنا شروع کی اور
اس میں کمال تبحر حاصل کیا۔[۲] حدیثیں لکھیں۔ اور محدثین کے گروہ میں بھی شامل ہوئے
موطائے امام مالک برزبان تھی۔[۳] جو حدیث کی افضل ترین کتاب تصور کی جاتی تھی۔
لیکن حق جو طبیعت چونکہ رموز باطن کے انکشافات کی مشتاق تھی لہذا ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ گویا اس پڑھنے لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوا اور جس چیز کی تلاش ہے وہ نہیں ملتی
خود فرماتے ہیں میں نے تیس برس تک فقہ پڑھی یہاں تک کہ ایک آفتاب میرے
سینے سے طلوع ہوا۔ پھر میں استادوں کے پاس گیا اور ان سے علم الٰہی کا خواستگار
ہوا۔ مگر کسی نے کچھ نہ بتایا کیونکہ وہ خود نہ جانتے تھے یہی کہا کہ ہر چیز کا ایک نشان ہے

عـــه رسالہ قشیریہ ص ۳۔ سـه مرآۃ الجنان یافعی۔ حالات ۳۳۴ھ سـه طبقات الکبری شعرانی

لـعـه تذکرۃ الاولیا۔ ۲۸۷۔

اگر غیب کا کچھ نشان نہین۔ یہ جوابات سُن کے مجھے تعجب ہوا۔ اور مین نے کہا کہ آپ سب صاحب اندھیرے مین ہین۔ اور مین اپنے آپ کو صبح روشن مین پاتا ہون۔ مگر افسوس کہ اپنی اس حالت پر شکر گزار نہ ہوا۔ اور اپنی ولایت چورون کے سپرد کر دی۔" میری زبان سے یہ کلمات سُن کے لوگ بگڑے اور عداوت پر آمادہ ہو گئے ؏

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل مین خود بخود توحید و خدا شناسی کا جوش پیدا ہوا۔ اور تعلیم فقہ و حدیث کے زمانے ہی سے انکشاف باطن کی جستجو شروع ہو گئی تھی۔ گو اُس کے ظہور کا ابھی وقت نہین آیا تھا۔

حسن رُشد۔ ملازمت اور دُنیوی اوج و عروج

لیکن جس خاندان کے رُکن تھے اُس کا ہر متنفس ملازمت سپہگری اور حکومت کے کاروبار مین مشغول تھا۔ چنانچہ اس علم و فضل اور اس جستجوئے حق پر خاندانی تعلقات غالب آ گئے۔ جو کسی درس گاہ یا خانقاہ مین بیٹھنے کے عوض انھین ایوان امارت مین بٹھانا چاہتے تھے۔ آپ تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی شاہی ملازمت مین داخل ہوئے۔ اور اپنے خاندانی کارنامون کے صلے مین نہاوند کے والی یعنی گورنر مقرر ہوئے ؏

ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہین موجود ہے کہ آپ نے زمانہ حکومت مین کیا کارروائیان کین۔ خلافت کی کیسی خدمتین بجا لائے۔ اور رعایا کے

؏ نفحات الانس ص ۱۱۰۔ ؏ تذکرۃ الاولیاء ۹ ص ۲۔ ابن خلکان و رسالۂ قشیریہ مین دینا وند ہے۔ مگر تاریخی شہادتون سے نہاوند ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اسی قدر نہیں ۔ ہم اس سے بھی لاعلم ہیں کہ ہماوندی خاندان حکومت کتنے دنوں تک باقی رہنے پائی تھی کہ کسی ضرورت و تقریب سے دار الخلافت میں بلائے گئے۔ اور وہ حیرت خیز واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تمہید میں آچکا ہے اور جس نے صرف ایک لفظ پر آپ کو ایک والی ملک اور رئیس قوم سے ایک صاحب ِ علم فقیہ اور باکمال صوفی صافی بنا دیا۔

علوم باطنی کی طرف توجہ کرنے سے پیشتر کے حالات بیان کرنے سے مورخین اس قدر خاموش ہیں کہ ساری زندگی اور ریاست کے وہ کچھ حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ اکثر بزرگان دین کے حالات میں مورخین کے قلم نے اسی قسم کا بخل ظاہر کیا ہے مگر اتنا نہیں جتنا کہ حضرت ابوبکر شبلی کے معاملے میں کیا گیا ہے ۔کیونکہ آپ کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی اور گمنامی میں ہے۔

ان امور کا پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ اسلام کے سچے مذاق کے مطابق آپ متاہل تھے۔ بی بی تھیں جن کے متعلق کرنے کے لیے بعض اوقات آپ عجیب عجیب غریب کام کر گزرا کرتے تھے۔ خدا نے اولاد بھی دی تھی جن میں سے بعض کو اس نے والدین کو ثواب آخرت عطا کرنے کے لیے دنیا سے اٹھا لیا اور بعض زندہ رہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپکا ایک بیٹا جس کا نام ابوالحسن تھا اس نے ماں باپ کے دل کو داغ دے کے سفر آخرت کیا۔ اور آغوش مادر سے نکل کے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔ دل شکستہ ماں کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ رو رو کے بیٹھیں اور سر کے بال نوچ ڈالے۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت شبلی حمام میں گئے۔ اور داڑھی میں نورہ لگا لیا۔ چند لمحوں کے بعد جب حمام سے باہر نکلے تو داڑھی غائب تھی۔ داڑھی منڈوانا ان دنوں

اس قدر خلاف فیشن تھا کہ کسی کی ڈاڑھی منڈی دیکھ کے لوگوں کا خیال جواز و عدم
جواز کی طرف متوجہ ہونے کے عوض اُس شخص کے ہوش و حواس بجا نہ ہونے یا کسی
خاص مجبوری کی طرف رجوع ہوتا۔ اب جو لوگ تعزیت کو آتے تو آپ کی یہ وضع دیکھ کے
متحیر ہو جاتے۔ اور پوچھتے شبلی خیریت تو ہے؟ جس کا جواب آپ یہ دیتے کہ میں نے
اس بارے میں بی بی کی پیروی کی ہے۔ اُنھوں نے بیٹے کے غم میں اپنے بالوں پر
ہاتھ صاف کیا اور میں نے اپنی ڈاڑھی پر۔ لیکن اس بانداق جواب سے کسی کا اطمینان
نہ ہوتا تھا اور بار بار ڈاڑھی اُڑا دینے کا اصلی سبب پوچھا جاتا تب آپ نے فرمایا دوستو
میں نے یہ خیال کیا کہ لوگ یادِ خدا چھوڑ کے میرے پاس تعزیت کے لیے آئیں گے۔
لہذا میرے سبب سے جو لوگوں کے دل میں خدا کی طرف سے بے توجہی ہو گی اُس کے
فدیہ میں میں نے اپنی ڈاڑھی نذر کر دی۔

اس واقعہ کو فقہا اور اہل ظاہر غالباً اچھی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ مگر ہم اُنھیں
مشورہ دیتے ہیں کہ ذرا درایت سے بھی کام لیں۔ ڈاڑھی منڈانا اُن دنوں نہ امرا کے
فیشن میں تھا۔ اور نہ کسی طبقہ کے۔ لہذا اُس زمانے میں اس فعل سے کوئی دنیوی شوخ
یا طرحداری نہیں ظاہر ہو سکتی تھی۔ بلکہ بے ڈاڑھی کا انسان ہر سوسائٹی میں ذلیل و خوار
تصور کیا جاتا تھا حضرت ابوبکر شبلی جذبات وحدت میں غرق ہوتے تو اس قدر از خود رفتہ
ہو گئے تھے کہ کسی خاص دُھن میں محو ہو کے بعض اوقات ایسے افعال کر گزرتے
تھے جن پر لوگوں کو حیرت ہو جاتی۔ اور اگر آپ میں ہوتے تو وہ خود بھی حیران ہو جاتے۔
اسی طرح آپ کے ایک دوسرے صاحبزادے یونس بھی تھے جن سے آپ کے

سے رسالۂ قشیریہ ۔ ۵۲۔

حالات کے متعلق صرف ایک یہ روایت ہم تک پہونچی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد ساری رات چھت کے ایک کونے پر کھڑے رہے۔ اور کہتے تھے کہ اے آنکھ اگر تو نے پلک جھپکائی تو تجھ سے کام نہ لیا جائے گا۔ اسی طرح رات بھر پلک نہ لگائی صبح ہوئی تو مجھ سے کہا "بیٹا۔ میں نے آج رات سوا ایک شخص کے کسی کو خدا کا ذکر کرتے نہیں سُنا"

ان مستند شہادتوں سے یہ تو بے شک ثابت ہو گیا کہ آپ کی بی بی بھی تھیں۔ اور خدا نے اولاد بھی عطا کی تھی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ عقد آپ نے جامۂ معرفت پہننے کے بعد کیا تھا یا پہلے۔ تاہم قیاس سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ باتیں مدرسہ حقیقت میں آنے سے پیشتر ہی کی ہوں گی۔ کیونکہ اول تو آپ کا مذاق تصوف اس قدر گہرا اور مجرد بنا دینے والا تھا کہ اگر تجرد کو آپ ضروری نہیں تو اپنے لیے جائز اور اپنے مذاق توبہ کے مناسب ضرور خیال کرتے ہوں گے۔ علاوہ بریں یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ نے تیس سال تک فقہ و حدیث کی تعلیم پائی۔ اور اگر تعلیم کا آغاز ۸ برس کی عمر سے ہوا اور چار پانچ برس آپ تنہا مدرسہ کے والی رہے ہوں تو توبہ کر کے علوم باطن کی طرف توبہ کرنے کے وقت آپ کی عمر شریف ۴۲ یا ۴۳ برس ہو گی۔ (۱) اور اتنی عمر تک اُن دنوں ایک دنیادار امیرزادے کا مجرد رہنا اور شادی نہ کرنا خلاف قیاس ہے۔

بس اس کے سوا آپ کی دنیاداری کی ابتدائی زندگی کے متعلق ہم کوئی بات جانتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اب خانقاہ عرفان میں چل کے ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

ع تلبیس ابلیس۔ بیان جملۃ مرویۃ عن الصوفیۃ من الافعال المنکرۃ۔

درسگاہ معرفت

دربار خلافت میں استعفا داخل کرتے ہی آپ نے رموز باطن حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔ اور وہ جوش کہ ایک بڑے زور و شور سے ابھرا جو تعلیم قرآن و حدیث کے وقت دل کو کسی طرح مطمئن نہ ہونے دیتا تھا۔ اور کسی بات سے جویائے حق قلب بیقرار کو تسلی نہ ہوتی تھی۔ اب کسی ایسے پاک باطن رمز دان وحدت کی تلاش ہوئی جس کی صحبت میں حاضر ہو کے منازل یقین طے کریں۔

ان دنوں دربار خلافت کا مرکز شہر سُرّ من رائی تھا جسے اب سامرہ کہتے ہیں۔ دربار خلافت سے نکل کے شہر کی سڑکوں پر آئے اور کسی بزرگ کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے خیر نساج کا نام بتایا جو اسی شہر سُرّ من رائی میں پیدا ہوئے تھے اور بالفعل خاص دار السلام بغداد میں اقامت گزین تھے۔ غالباً ہم وطنی کے خیال نے خیر نساج سے ملنے کا شوق دل میں اور بڑھا دیا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ سامرہ چھوڑ کے بغداد گئے۔ دلی ارادت سے[1] ابو الحسین خیر نساج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خیر نساج اگرچہ بڑے صاحب معرفت بزرگان دین میں سے تھے لیکن شبلی کا ذوق و شوق دیکھا۔ ان کی جوانانہ مستعدی و گرمجوشی دیکھی۔ اور پھر ان کے علم و فضل کا اندازہ کیا تو انھیں اپنے پاس رکھنا مناسب نہ سمجھے اور خیال کیا کہ ان کے لیے جنید بغدادی سے بہتر کوئی شیخ طریقت نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا پہلے تو اپنی صحبت میں ان سے تمام گناہوں اور معصیتوں سے توبہ کرائی۔ اور پھر انھیں حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جو ان

۱؎ طبقات الکبریٰ ۱۲۔ [illegible]

دونوں علوم باطن کے مرکز اور دونوں طریقِ معرفت کے مرجع و ماویٰ بنے ہوئے تھے۔ اور جن کی صحبت میں اہلِ ذوق کا ایک ہجوم رہا کرتا تھا۔

شبلی جب خیر نساج کے پیام کے ساتھ حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سامنا ہوتے ہی عرض کیا "لوگوں نے آپ کے پاس گوہر کا پتہ دیا ہے جو نہ عطا ہوگا یا قیمت سے"۔ جنید نے ان کی صورت دیکھ کے فرمایا "بیچوں تو تم سے سکو گے کیونکہ وہ بہت گراں ہے اور تمھارے پاس اتنا سرمایہ نہیں۔ اگر مفت دے دوں تو تمھیں اس کی قدر نہ ہوگی۔ ہاں اگر جواں مردوں کی طرح اس دریا میں سر کے بل غوطہ لگاؤ گے۔ اور صبر و انتظار سے کام لیتے رہو گے تو وہ گوہر تمہارے ہاتھ آ جائے گا۔"[1]

آپ کی سیرت لکھنے والوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی اور خیر نساج کے علاوہ اُس عہد کے دیگر ائمہ باطن اور اولیائے زمانہ کی صحبتوں سے بھی آپ نے فیض اُٹھایا۔[2] مگر ہمیں سوائے مذکورہ بالا دو بزرگوں کے اور کسی کا نام نہیں بتایا گیا ہے۔ اور نہ آپ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کبھی کسی اور شیخ باطن کی خدمت میں بھی شرفیاب ہونے کے لیے تشریف لے گئے ہوں۔ ہاں آپ دنیا کی جہالت سے نکل کے دیوانہ وار صحراؤں اور پہاڑوں کی آوارہ گردی تک سے سبق لیتے عبرت حاصل کرتے رہتے تھے جیسا کہ آگے چل کے ہم بیان کریں گے۔ مگر ارادت اور شاگردی کی حیثیت سے آپ کو جو کچھ فیض پہنچا صرف شیخ الطائفہ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ سے یا خیر نساج سے۔ اور جو کچھ حاصل ہوا گو وہ بہت بڑی چیز ہے اور اسی کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ایوانِ معرفت کا دروازہ

---

[1] تذکرۃ الاولیا ۔ ۲۸۶ ۔ [2] رسالہ قشیریہ ۳۳ ۔

لفظوں کے اندر آپ کو اُنھین نے بلایا مگر وہ اس سے زیادہ نہین ہے کہ آپ نے اُن کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور اُنہین کی تلقین سے مشاغل دنیا کو ترک کیا۔

حضرت جنید نے ابتدا ہی سے بڑی سخت محنت لینا شروع کی خصوص سب سے زیادہ یہ کہ کہا تم نے نہاوند کی رعایا پر حکومت کی ہے۔ بہتون کے مظلمے تمھارے سر باقی ہون گے۔ جب تک وہ دشمنِ دامن سے نہ چھوٹین تم دربار معرفت مین باریاب نہین ہو سکتے۔ لہذا جاؤ۔ اور وہان کی رعایا سے سند معافی حاصل کرو۔ سچ یہ ہے کہ یہ سب ریاضتون سے بڑی ریاضت تھی۔ مگر آپ کو جستجوے حقیقت کی ایسی دُھن لگی ہوئی تھی کہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نہاوند مین جا کے اُنھین لوگون سے جو ابھی کل تک آپ کے تابع فرمان تھے معافی چاہی۔ اور سب سے بعجز و لجاج کہا مین تمھارا والی تھا۔ مجھ سے تم پر کوئی زیادتی ہوئی ہو۔ یا تم پر کبھی میرے ہاتھ سے ہو گیا ہو۔ تو اُسے معاف کر دو۔ اس بارۂ خاص مین خلوص نیت کی برکت سے آپ مین ایسی سرگرمی پیدا ہو گئی تھی کہ سارے شہر مین ایک ایک کے دروازے پر جا کے مرد عورت بوڑھے بچے سے عفو کی درخواست کرتے۔ اور کوئی نہین رہا جس سے اپنا کہا سُنا معاف کرا کے سند معافی نہ حاصل کر لی ہو۔ سوا ایک شخص کے جو موجود نہ تھا۔ اور اُس کا ایک درہم اِن کے ذمہ باقی تھا۔ اُسے بہت تلاش کیا۔ بہت سا روپیہ اُس کے کفارے کے طریقے سے خیرات کیا مگر دل کو کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ اور مرتے دم تک اُس کا ڈر لگا رہا۔ چنانچہ جعفر بن نُصیر بکران دینوری جنھین آپ کی خدمتگذاری کرنے کا شرف حاصل ہے۔ بیان کرتے ہین کہ شبلی نے وفات کے

تذکرۃ الاولیا ۶۰۹۔ رسالۂ قشیریہ ۳۴۳۔ تذکرۃ الاولیا ۶۸۹۔

وقت مجھ سے کہا میرے اوپر ایک درہم کا مطالبہ باقی ہے۔ اس کے عوض ہزاروں درہم خیرات کر چکا ہوں مگر دل پر سے اس کا بار نہیں ہٹتا۔

حضرت جنید نے ریاضت شروع کرانے سے پہلے خودی کے جوہر مٹانا شروع کیے۔ چنانچہ کہا ایک سال تک تجارت کرو۔ جب یہ سال ختم ہوا تو ارشاد ہوا کہ ایک سال دریوزہ گری کرو اور بھیک مانگو۔ لیکن یہ شرط ہے کہ جو چیزیں ملیں اس میں سے کسی میں مشغول نہ ہو جانا۔ یہ برس آیا۔ تو اس حالت میں گذرا کہ سارے بغداد میں ایک ایک کے دروازے پر جاکے سوال کرتے۔ اور کوئی کچھ نہ دیتا۔ چونکہ بغداد والوں کو ان کی شکلوں سے یقین آیا ہوگا کہ یہ محتاج ہیں۔ اور افلاس کی مجبوری سے سوال کرتے ہیں۔ فقیری میں اس ناکامی کی خبر حضرت جنید کو پہنچی تو فرمایا "اب تمہیں اپنی قدر و قیمت معلوم ہو گئی ہو گی"۔

[illegible] سال ان مختلف حالتوں کو گزر گئے تو شیخ جنید نے آپ کے قلب کا امتحان لیا اور فرمایا "ابھی تم میں تھوڑی جاہ طلبی باقی ہے۔ ایک سال اور گدائی کرو۔" اس سال آپ کو لوگوں کی فیاضی سے بھیک ملتی تھی۔ مگر جو کچھ ہاتھ آتا روزانہ لا کے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ وہ اسے اپنے حلقے کے درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ اور انھیں اکثر بھوکا ہی رکھا کرتے۔ جب یہ سب مراحل جھیل چکے تو شیخ جنید نے فرمایا "اب میں تمہیں اپنی صحبت میں رکھوں گا۔ لیکن اتنی شرط باقی ہے کہ ایک سال تک درویشوں کی خدمت کرو۔" یہ بھی کیا۔ اور ان ابتدائی ریاضتوں سے فارغ ہو کے حضرت شیخ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو جنید نے پوچھا "بتاؤ

ل طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۳۔ و رسالۃ قشیریہ۔ ۱۸۱۔

اب تمھارے نزدیک تمھارے نفس کا کیا رتبہ ہے؟" عرض کیا" اپنے آپ کو ساری خلقت سے ادنیٰ درجے پر پاتا ہون" ارشاد ہوا کہ "اب تمارا ایمان درست ہوا"

دیگر اہل سیر نے اگرچہ ان ابتدائی امتحانون اور بے نفسی کی تعلیمون کی تفصیل نہین بیان کی ہے۔ مگر اس امر مین کل اہل سیر کو اتفاق ہے کہ ابتدائے عمر مین آپکے مجاہدات حد سے گزرے ہوئے تھے۔ کمال باطنی کی یہ ابجد ختم کرنے کے بعد عبادت وریاضت مین مشغول ہوے تو معمول تھا کہ ہر روز ایک سرد آب (تہ خانے) مین اُتر جاتے۔ اور اپنے ساتھ جلانے کی کچھ لکڑیان بھی لیتے جاتے۔ وہان خلوت مین بیٹھ کے مصروف عبادت ہوتے۔ کسی وقت دل ذرا بھی غفلت کرتا تو اُن مین سے ایک لکڑی اُٹھا کے آپ ہی اپنے جسم پر مارنا شروع کرتے۔ اور یہان تک مارتے کہ جب تک وہ لکڑی ٹوٹ نہ جاتی ہاتھ نہ رُکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ سب لکڑیان دن ختم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتین اور ایسی حالت مین جسم کو اذیت پہونچانے کیلیے اپنے ہاتھ پاؤن زور زور سے دیوار پر مارتے۔ غرض ایسی ایسی سخت مصیبتین جھیل کے دل کو قابو مین لاتے۔ اور اُسے عادی بناتے کہ حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہو تو پھر کسی اور طرف کا رُخ نہ کرے۔

[illegible] نماز حال مین زار و قطار رویا کرتے۔ اور آہین بھرتے تھے حضرت جنید [illegible] دیکھ کے فرمایا" حق تعالیٰ کی درگاہ سے شبلی کو ایک ودیعت دی گئی تھی۔ اُسنے [illegible] یا کہ اُس امانت مین خیانت کرے لہذا اسی جرم کی سزا کیلیے آہ وزاری کی تکلیف مین مبتلا

ے تذکرۃ الاولیا ۔ ۲۶۰ ۔ عے رسالہ قشیریہ ۳۳ ۔ مرآۃ الجنان ۔ حالات ۳۳۴ھ ۔ ابن خلکان جلد اول [illegible] ۔ ھے رسالہ قشیریہ ۱۲۱ ۔

کیا گیا ہے۔ راتوں کو بالالتزام جاگتے۔ اور صبح تک سونے کا نام نہ لیتے بعض وقت نفس نہ مانتا طبیعت سستی کرتی۔ اور آنکھوں میں نیند بھر آتی۔ اس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "فلاں فلاں راتوں کو میں نے نمک کا سرمہ لگایا۔ تاکہ جاگنے کی عادت پڑے۔ اور نیند نہ آئے۔ اور جب اس سے بھی کام نہ چلا تو میں نے سلائی گرم کرکے آنکھوں میں پھیری" یہ دیکھ کے لوگوں نے کہا "معلوم ہوتا ہے آپ کو آنکھوں کی ضرورت نہیں رہی" فرمایا "مضائقہ نہیں جس کے دیدار کا اشتیاق ہے وہی ان آنکھوں سے پوشیدہ ہے تو پھر یہ کس کام کی ہیں؟"

"استاد ابو علی دقاق کا بیان ہے کہ انھوں نے ایسے ایسے نمکوں کا سرمہ لگایا۔ جن کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ اور بیداری کی عادت پڑتی۔ اور اگر شرع شریف کی تعظیم کا خیال نہ ہوتا تو اور زیادہ ریاضت کرتے۔ حد سے زیادہ جاگتے اور نیند سے دست بردار ہو جانے پر لوگوں نے آپ کو الزام دیا تو فرمایا "میں نے سنا کہ خدا مجھ سے کہہ رہا ہے جو سویا غافل ہوا اور جو غافل ہوا اُس کی آنکھ پر پردہ پڑ گیا پھر بھلا میں کیونکر سو سکتا ہوں؟ اسی لیے نمک کا سرمہ لگاتا ہوں تاکہ آنکھ نہ لگے"

عشق الٰہی کے مکتب میں داخل ہوتے ہی یہ رنگ ہو گیا کہ اللہ جل شانہ کے نام پر شیدا تھے جب کسی کے منہ سے یہ نام پاک نکل جاتا اُس کا منہ شکر سے بھر دیتے۔ اور لڑکوں کو شکر بانٹا کرتے کہ اللہ کا نام لو۔ یہ ذوق بڑھتے بڑھتے اس درجے کو پہونچا کہ اب جس کی زبان پر یہ نامِ پاک آتا اُس کا منہ دینار دن (اشرفیوں)

عه تذکرۃ الاولیا ۔ ۶۹۲ ۔ عسه طبقات الکبریٰ ۔ ۱۲۲ ۔ مسه تذکرۃ الاولیا ۔ ۶۹ ۔ ۲۹۹ ۔ للعه رسالہ قشیریہ ۔ ۳۲ ۔ صه طبقات الکبریٰ ۔ ۱۲۳ ۔

سے بھرتے ۔ اس کے بعد عشق الٰہی کے جوش میں کچھ ایسا انقلاب ہوا ۔ اور ایسا غیرت
رقابت پیدا ہوا کہ تلوار لیے پھرتے ۔ اور کہتے کہ جو کوئی اللہ کا نام زبان پر لائے گا
اس کا سر اڑا دونگا ۔ بعض لوگون نے جرأت کرکے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا
کہ لوگ عادت پڑ جانے کے سبب سے غفلت و بے توجہی کے ساتھ اللہ کا نام پاک
زبان پر لاتے ہین ۔ ان مین خلوص و ارادہ نہین ۔ یہ بھی آپ کے معمولات مین تھا
کہ جہان کہین اللہ جل شانہ کا نام لکھا یا منقوش نظر آجاتا اُسے بوسہ دیتے ۔ یہ حالات
تھے ۔ اور اس رنگ مین ڈوبے ہوئے تھے کہ یکایک سینے سے نکل کے کان مین
فرشتۂ ہدایت کی آواز آئی کب تک رسم پرستی کرے گا ۔ طالب ہے تو بجائے اسم
کے مسمی کی راہ طلب مین قدم رکھ ۔ اب ہجوم شوق بڑھا ۔ جوش عشق نے جنون و
جذب کی شان اختیار کی ۔ اور ایسے بیتاب و بیقرار ہوئے کہ ایک بار دجلہ مین
پھاند پڑے ۔ مگر خدا کی قدرت لہرون نے کنارے پر پھینک دیا ۔ آگ مین لوٹے
لیکن اُس سے بھی بچ گئے ۔ دیگر مہلک تدبیرین عمل مین لائے ۔ اور اُن سے
بھی بچے ۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن جوش و خروش مین کمی ہونے کو نہ آتی تھی ۔ پکارتے
پھرتے تھے ۔ ویل لمن لا تقتلہ الماء والنار والسباع والجبال ! "شامت ہو اُسکی
جسے نہ پانی ڈبوتا ہے نہ آگ جلاتی ہے ۔ نہ درندے پھاڑتے ہین اور نہ پہاڑ ہلاک
کرتے ہین" مگر اس بیتابانہ سوال کا جواب اُسی فرشتۂ ہدایت نے سینے کے اندر سے
یہ دیا کہ "من کان مقتول الحق لا یقتلہ غیرہ" (جو خدا کا مقتول ہو اُسے کوئی دوسرا قتل نہین
کر سکتا) آخر بیتابی یہان تک بڑھی کہ لوگون نے زنجیرون مین باندھ کے بٹھایا اور
مشہور ہوا کہ شبلی دیوانے ہو گئے ۔ چنانچہ لوگ شفاخانے مین اُٹھا لے گئے ۔ مگر یہ سب سے

یہی) فرماتے تھے کہ تمھارے نزدیک میں دیوانہ ہوں۔ اور میرے نزدیک تم دیوانے ہو۔ میری یہ دیوانگی انشاء اللہ (دنیا و) دین و دنیا (؟) ہی ہوگی۔[1]"

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب درد مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

پیر اور مرید

حضرت جنید بغدادی کی بارگاہ فیض سے طالب حقیقت مرید شیخ ابوبکر شبلی کو تعلیمیں حاصل ہوئیں جس عنوان سے انھوں نے آپ سے شاہراہ طریقت کی دشوار منزلیں طے کرائیں۔ اور پیر اور مریدین باہم جو واقعات پیش آئے وہ بھی اگرچہ در اصل گذشتہ بحث یعنی "درس گاہ معرفت" ہی کا ایک جزو ہیں مگر ہم ان میں ایک خاص لطف دیکھ کے انھیں علحدہ بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ بے شک مرشد کی تعلیموں کا زیادہ حصہ اوپر بیان ہو چکا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ گذشتہ بحث کی تعلیموں میں صرف پڑھانے اور درس دینے کی شان تھی اور ان باتوں میں جن کا ذکر اب آئے گا۔ اتالیقی اور روحانی تربیت کی شان پائی جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی میں باوجود اعلیٰ درجے کے مدارج عرفان طے کر لینے کے متانت تھی ضبط تھا۔ اور ان کی فقیری میں بھی عالمانہ وقار نمایاں تھا۔ برخلاف اس کے شبلی میں جوش و خروش تھا۔ بے صبری و بیقراری تھی۔ اور ایسی محویت و بے اختیاری تھی کہ اپنی بے روک طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکتے تھے۔ اور اس اختلاف مذاق و طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی تو حضرت جنید آپ سے باہر ہونے والے

---

[1] تذکرۃ الاولیاء۔ ۷۹۔

مرید کو اپنی قوت کمال سے روک دیتے اور کبھی اُس کے اثر سے یہان تک متاثر ہوتے کہ خود بھی بیتاب ہو جاتے۔

حضرت جنید کی صحبت مین ابوبکر شبلی کا پہلا رنگ تو یہ تھا کہ ایک بار اُن کی زبان سے کلمۂ لاحول ولاقوۃ الا باللہ نکل گیا۔ جنید نے فوراً ٹوکا اور ارشاد فرمایا "یہ کلمہ کسی بات سے تنگ آجانے کے خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور تنگ آجانا رضی برضا ہونے سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔" عرض کیا بجا ارشاد ہوا[۱]۔ غالباً ظاہر بینون کو اس پر اعتراض ہوگا۔ لیکن خود واقعہ بتا رہا ہے کہ حضرت جنید نے لاحول پڑھنے سے نہین بلکہ خدا کی مرضی پر نہ راضی ہونے سے روکا۔ اور یہ تعلیم اسلام کی اعلیٰ تعلیمون کی جان ہے۔

ایک مرتبہ ایک خراسانی جوان حضرت جنید بغدادی کی خدمت مین حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کا عصا اور اُس کی چھاگل لے کے اپنے پاس گھر مین رکھ لی اور ٹھہرایا۔ اتفاقاً اُسی رات کو آپ کے مریدون کی ایک صحبت ہونے والی تھی۔ لہذا آپ نے بعض اصحاب کو بُلا کے فرمایا "اس نوجوان کو لے جا کے اپنے ساتھ رکھو۔ رات کو اپنی صحبت مین شریک کر دو اور صبح کو میرے پاس لے آنا۔" اس محفل مین کھانے کے بعد مریدان جنید مین کچھ مزاح ہونے لگا۔ اور اُس خراسانی جوان سے بھی شریک ہونے کی درخواست کی گئی۔ اُس نے انکار کیا۔ بلکہ ان سب لوگون کو الزام دینے لگا کہ آپ کا یہ کام نہین۔ شبلی تمام مریدان جنید مین پُرجوش تھے اُس پر نگاہ غیظ و غضب ڈالی۔ اور کہا چُپکے بیٹھے رہو۔ ورنہ اُٹھ کے سر اُڑا دون گا۔ یہ سُن کے وہ خاموش ہو رہا

---

[۱] رسالہ قشیریہ ۳۱۰۔

اور پھر سب کی نظر بچا کے غائب ہو گیا۔ دوسرے دن جب یہ واقعہ حضرت جنید کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے گھر میں جا کے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا عصا اور چھاگل بھی غائب ہیں۔ سمجھ گئے کہ وہ کوئی صاحب تصرف شخص تھا۔ باہر آ کے اپنے مریدوں پر خفا ہوئے۔ اور فرمایا "میں کئی بار تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ کوئی اجنبی شخص آیا کرے تو اُس کے ساتھ بیا برتاؤ نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم مجھے خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ میرا عصا اور چھاگل اُٹھا لے گیا"۔[۵]

شاید یہ واقعہ حضرت شبلی کے پہلے پہل آنے کا ہو کیونکہ آپ کی زندگی میں ہمیں اس قسم کا اور کوئی واقعہ کسی مستند و معتبر کتاب میں نہیں نظر آیا۔ اور نہ اور کبھی ہم نے جنید کو شبلی پر غصہ کرتے یا اظہار ناراضی فرماتے دیکھا۔ حضرت ابوبکر شبلی میں جوش تھا اور عالم باطن میں جنید کے سامنے آپ کی وہی شان نظر آتی ہے جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھی۔ اور ہمیں آپ سے کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا جو مرشد کو ناگوار ہو قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا

خیر اگر ابتدائے زمانہ ارادت میں یہ مان بھی لیا جائے تو بعد کے زمانوں میں ہم حضرت جنید کو شبلی کا نہایت ہی قدر دان شیخ پاتے ہیں حضرت جنید کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیخ ابوبکر شبلی پر اکثر ایک مدہوشی کا عالم طاری رہتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے۔ ایک دن دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے اور عشق الٰہی سے بیتاب و بے قرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سامنے آ کے

---

[۵] نفحات الانس۔ ۲۳۶۔

ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اور انتہادرجہ کی بیتابی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اور جوش و خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عَوَّدُوْنِي الْوِصَالَ وَالْوَصْلُ عَذْبٌ ۔۔۔ وَرَمَوْنِي بِالصَّدِّ وَالصَّدُّ صَعْبٌ

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیرین ہے۔ اور روگردانی سے مجھے زخمی کیا اور روگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

زَعَمُوْا حِيْنَ أَزْمَعُوْا أَنَّ ذَنْبِي ۔۔۔ فَرْطُ حُبِّي لَهُمْ وَمَا ذَاكَ ذَنْبُ

مجھے زخمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ مجھے اُن سے زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

لَا وَحَقِّ الْخُضُوْعِ عِنْدَ التَّلَاقِيْ ۔۔۔ مَا جَزَا مَنْ يُحِبُّ أَنْ لَا يُحَبُّ

اُس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے محبت کرنے والے کی [illegible] یہ نہیں ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار سُن کے حضرت جنید نے بھی بیتابی کے ساتھ [illegible] یہ شعر پڑھا۔

وَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَاكَ فَلَمَّا رَأَيْتُكَا ۔۔۔ غَلَبَتْ دَهْشَةُ السُّرُوْرِ فَلَمْ أَمْلِكْ الْبُكَا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی لیکن جب تجھے دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر طاری ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا[ع۵]۔

حضرت جنید کے حالات میں ناظرین اس واقعہ کو بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مگر ہم ضروری خیال کر کے ابوبکر شبلی کے واقعات میں بھی اِس کا اعادہ کرتے ہیں کہ شبلی ایک دن مے وحدت کے نشے میں چور مستانہ وضع سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عہ۵ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔

جناب جنید کی بی بی عارف زمانہ شوہر کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نامحرم مرید کو آتے دیکھ کے ارادہ کیا کہ اُٹھ کے پردے مین چھپ جائیں۔ مگر جنید نے روکا اور فرمایا "کہان جاتی ہو؟ شبلی اِس وقت اپنے آپے مین نہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ یہان موجود ہین۔ وہ تو غائب ہین۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہین۔ ایسی حالت مین تمھین چھپنے کی ضرورت نہیں" شوہر کی زبان سے یہ کلمات سُن کے بیچاری اُٹھتے اُٹھتے پھر بیٹھ گئین۔ اور شبلی اندر آئے جن سے جنید سے کچھ باتین ہوئین۔ اتنے گفتگو مین شبلی پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔ یہ رنگ دیکھتے ہی جنید نے بی بی سے فرمایا "تمھارے چھپنے کا وقت آگیا۔ کیونکہ شبلی عالم باطن سے ظاہر کی طرف آ رہے ہین۔ اب تم اُٹھ کے پردے مین چلی جاؤ" وہ اُٹھ کے پردے مین چلی گئین۔ اور شبلی پھر اسی عالم ظاہر مین تھے[عہ] بعض معتبر ذرائع[عہ] سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کا وہ اشعار پڑھنے کا مذکورۂ سابق واقعہ اور یہ جنید کی بی بی کے سامنے آنے کا واقعہ دونون ایک ہی وقت مین گذرے یعنی وہ اشعار شبلی نے اِسی محترم خاتون کے سامنے پڑھے تھے۔

اب جذبات وحدت نے شبلی کا یہ عالم کر دیا تھا کہ مرشد کو بھی اکثر خاموشی کے ساتھ اُن کے غدرات تسلیم کر لینا پڑتے۔ چنانچہ جب انھین حد سے گذرتے اور مخفی جذبات باطن کو علانیہ اور علی رؤس الاشہاد بیان کرتے دیکھا تو حضرت جنید نے روکا اور فرمایا "مین اِن رموز کو پوشیدہ بیان کیا کرتا تھا اور تم منبرون پر چڑھ چڑھ کے علانیہ کہا کرتے ہو" خودی سے گذرے ہوئے پرجوش مرید نے عرض کیا "مین ہی

عہ عوارف المعارف ۱۰۸۔۱۰۹ عہ مرآۃ الجنان یافعی۔ حالات ۳۳۴ھ

کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ میرے سوا دونوں جہان میں موجود ہی کون ہے؟
یہ صدا حق سے آتی ہے۔ اور حق کی طرف جاتی ہے۔ درمیان میں شبلی نہیں ہے۔
یہ جواب شافی سن کے حضرت جنید بولے "یوں ہے تو تم جو چاہو کہو" بہ ایں ہمہ باوجود اس کے
حضرت جنید آپ بھی اکثر یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ کے بھید کو محجوبوں پر نہ ظاہر
کیا کرو" مگر اس نصیحت پر عمل کرنا شبلی کے اختیار سے باہر تھا۔ بعض اوقات شیخ کے
پند ونصائح پر آپ ایسی پر لطف تعریض فرماتے کہ خود مرشد کا دل پھڑک جاتا۔ ایک
دن اثنائے گفتگو میں حضرت جنید نے فرمایا "من طلب وجد" (جس نے ڈھونڈھا پایا)
شبلی بولے جناب یوں نہیں۔ یوں فرمایئے کہ "من وجد طلب" (جس نے پایا وہی طالب ہے)

ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم مالک جو بندار ارغانی کے شاگرد تھے انھوں نے پچاسی
سو برس کی عمر پائی تھی اور شیخ ابوبکر شبلی کو دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار
جنید نے منبر پر جا کے فرمایا "حق جنید حاضر بود" مطلب یہ تھا کہ "جنید (یعنی) سچ مچ موجود
تھا" شبلی نے ایک جوش وخروش کے ساتھ فوراً ٹوکا۔ اور کہا "غیبت حرام ہے" مطلب
یہ کہ جنید کہاں سوا اس ذات وحدہ لاشریک کے کوئی نہ تھا۔ اور جب کہ جنید غائب ہے تو
پھر ان کو ان کے پیٹھ پیچھے موجود بتانا غیبت ہے۔

ایک دن جنید نے پوچھا "تم حق تعالی کو کیونکر یاد کرتے ہو؟ اس لیے کہ نہ تم میں
اس کے یاد کرنے کے قابل صدق ہے۔ اور نہ اس کے ذکر کی صلاحیت ہے" حضرت
جنید کے اس قول میں صرف شبلی مخاطب نہیں بلکہ انسانی حالت وفطرت کی نسبت
کہا گیا ہے کہ اس میں خدا کا ذکر کرنے کے مناسب صدق اور اس کا نام زبان پر

---

۱ تذکرۃ الاولیا ۔ ۶۹۲ ۔ ۲ طبقات الکبری ۔ ۱۲ ۔ ۳ تذکرۃ الاولیا ۶۹۴ ۔ ۴ نفحات الانس ۔ ۲۴۹ ۔

لانے کی اہلیت نہیں ہو سکتی۔ شبلی نے کہا" مین بحیثیت مجاز اس کو اس قدر یاد کرتا
ہون کہ وہ بہ حیثیت حقیقت خود ہی میری طرف توجہ کرتا اور ایک بار مجھے یاد کر لیتا
ہے"۔ یہ ایسی سچی اور پتے کی بات تھی کہ حضرت جنید سا ضابطہ و متین شخص بھی ایک نعرہ
مار کے بیہوش ہو گیا۔ مرشد کی یہ حالت دیکھ کے شبلی کی زبان سے نکلا: "رہنے بھی دو
کیونکہ اس دربار مین کبھی خلعت ملتا ہے اور کبھی تازیانہ"۔

ان باتون سے جنید شبلی کے کمال روحانی کا لوہا مان گئے تھے۔ چنانچہ ایک دن
شبلی کو شوق و وجد کے غلبہ سے متحیر و مضطرب دیکھ کے کہا" شبلی اگر تم اپنا کام حق تعالے
پر چھوڑ دو تو راحت پاؤ" یہ سُن کے شبلی نے جواب دیا" یون تو نہین۔ لیکن ہان اگر حق تعالے
میرا کام مجھ پر چھوڑ دے تو البتہ راحت پاؤن"۔ جنید یہ سُنتے ہی بے تحاشا کہہ اُٹھے "شبلی
کی تلوار سے خون ٹپکتا ہے"۔

اِنھین باتون کی وجہ سے حضرت جنید کے ساتھ شبلی کو ایسی خصوصیت حاصل
ہو گئی تھی کہ اُن کی صحبت مین جو قدر و منزلت انکی ہوتی کسی کی نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ
حضرت جنید نے اپنے مریدون اور حاضرین صحبت [illegible] تم لوگ باہم ایک
دوسرے کو جس آنکھ سے دیکھتے ہو اُس آنکھ سے شبلی کو نہ دیکھا کرو۔ کیونکہ یہ ایک
آنکھ ہین اللہ کی آنکھون مین سے"۔

ایک بار جنید نے خواب مین دیکھا کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم
نے ابوبکر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ صبح اُٹھتے ہی شبلی سے یہ کیفیت بیان کر کے پوچھا
"تم ایسے کون سے اعمال کیا کرتے ہو؟" اُنھون نے عرض کیا کہ نماز مغرب کی سنتون کے بعد

عہ تذکرۃ الاولیا ۔ ۲۰۷ ۔ عہ نفحات الانس ۔ ۲۰۳

دو رکعت نفل پڑھا کرتا ہوں۔ اور اُن میں آیۂ کریمۂ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز الخ ضرور پڑھا کرتا ہوں۔ سُن کے جنید نے فرمایا "بے شک یہ اسی کی برکت ہے۔" غالباً اسی معاملے کو ملاحظہ فرما کے اور نیز دیگر حالات باطن کا اندازہ کر کے اکثر فرمایا کرتے تھے "ہر قوم کا ایک تاج ہوا کرتا ہے اور شبلی اس قوم کے تاج ہیں"۔

اور یہ بھی مرشد کی خدمت میں آپ اس قدر بیباک ہو گئے تھے کہ اپنے جذبات باطنی کے جوش میں جو چاہتے کر گذرتے۔ چنانچہ ایک دن حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کی صورت دیکھی۔ اور ہاتھ بڑھا کے اُن کے عمامے کی بندش بگاڑ دی۔ جنید نے تو تعرض نہیں کیا۔ مگر حاضرین نے متحیر ہو کے پوچھا "یہ کیا؟" بولے "مجھے اس وقت یہ پگڑی بہت ہی بھلی اور خوشنما معلوم ہوئی۔ اس لیے میں نے اُسے بگاڑ دیا۔ یعنی میں اپنے مرشد کے لیے زینت دنیوی کو نہیں پسند کرتا۔

لیکن باوجود ان قدردانیوں اور ایسی قربت کے راز و نیاز کے حضرت جنید نے اپنی مرشدی اور اُستادی کی وضع نہیں چھوڑی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات نہ ہونے دیتے جس سے شبلی کا نفس موٹا ہو۔ ایک دن خدمت میں بہت سے مرید اور عقیدت کیش حاضر تھے۔ اور شبلی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے شبلی کی تعریف شروع کی کہ ان میں صدق ہے ذوق و شوق ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جو اور کسی میں کم نظر آتی ہیں"۔ حضرت جنید بولے "غلط کہتے ہو۔ یہ تو مردود اور خدا سے دور ہے"۔ پھر حکم دیا کہ "شبلی کو میری صحبت سے نکال دو"۔ جب شبلی اس حکم کے

عـــہ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۰ عـــہ نفحات الانس۔ ۱۷۴ ۔ عـــہ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۶

مطابق نکالے جا چکے تو ارشاد فرمایا "تمہاری یہ تعریف نہ تھی بلکہ ایک تلوار تھی جس سے تم شبلی کو قتل کیا چاہتے تھے۔ اگر میں نے اختلاف نہ کیا ہوتا تو اس کا نفس سرکش ہو جاتا۔ وہ تمہارے اس حربے سے ہلاک ہونے ہی کو تھا کہ میں نے ایک سپر درمیان میں کر دی اور اسے بچا دیا"[۱]

حضرت جنید کے بعد بھی شیخ ابوبکر شبلی کو اپنے مرشد کا ویسا ہی ادب و لحاظ رہتا جیسا پاس ادب کہ ان کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جنید مرحوم و مغفور کی تربت پر کھڑے ہوئے تھے کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بجائے جواب دینے کے یہ شعر پڑھ دیا۔

انی لاستحییہ فی التراب کما کنت استحییہ وھو یرانی

اس وقت جب کہ وہ ہمارے سامنے خاک میں مدفون ہیں میں ان سے ویسی ہی شرم کرتا ہوں جیسی شرم ان سے ان دنوں کرتا تھا جب وہ مجھے دیکھتے ہوتے تھے[۲]

خلاصہ یہ کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں پیر اور مرید گذرے ہیں مگر جنید اور شبلی کے سے مراد و مرید کم نظر آئیں گے جس طرح اب کسی مرید کو جنید کا سا مرشد ملنا دشوار ہے اسی طرح شبلی کا سا مرید بھی چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو کسی مرشد کو نصیب ہو گا۔

مزاج طبیعت اخلاق و عادات اور عام واقعات

باوجودیکہ شبلی کے جذب و جوش اور بے اختیاری و ازخود رفتگی کی کوئی انتہا

---

[۱] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۲ [۲] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۵۳۔

نہ تھی مگر ان درویشون اور فقیرون مین نہ تھے جو شرع شریف کی طرف سے غافل و بے پروا ہو جاتے ہین۔ آپ کے شیخ حضرت جنید بغدادی ہی کی نصیحت تھی کہ سوا حضرت رسالت صلعم کے نقش قدم پر چلنے کے خلقت پر تمام راستے بند ہین۔ عـ۵

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　　که هرگز به منزل نه خواهد رسید

چنانچہ فرائض دین کے پورے پورے پابند تھے۔ نماز روزہ اور عبادت الٰہی مین ہمیشہ مشغول و منہمک رہتے۔ اور اس حد سے زیادہ انہماک سے طبیعت مین ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُس اضطراب کے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ شرع مطہر نبوی صلعم کی تعظیم مین بہت مبالغہ کرتے۔ رمضان مبارک کا مہینہ آتا تو عبادت کیلیے خاص اہتمام اور بے انتہا کوشش فرماتے۔ اور کہتے اُس مہینے کی میرے پروردگار نے تعظیم کی ہے تو پھر مین تو اسکی تعظیم کرنے کا اور زیادہ مستحق ہون۔ عـ۶

لیکن روحانی تعلیم اور صفاے باطن کی برکت سے اس زہد و اتقا مین کسی قسم کا عجب و تکبر نہین پیدا ہونے پایا تھا جیسا کہ اکثر مقتداؤن مین پیدا ہو جاتا ہے فرماتے تھے "میرا تکیہ گاہ عجز و نیاز ہے۔ اور اکثر کہتے مجھے لاٹھی پکڑ کے لے چلتا ہے" مزلۃ الاقدام دنیا کی حالت دیکھ کے فرماتے "مین چار بلاؤن مین مبتلا ہون۔ (۱) نفس۔ (۲) دُنیا۔ (۳) ہوا۔ (۴) شیطان۔ اور یہ تین بڑی بھاری مصیبتین مجھ پر آ پڑی ہین۔ (۱) حق میرے دل سے دور ہے (۲) باطل حق کی جگہ آ کے بیٹھ گیا ہے (۳) ایسا نفس کا فر رکھتا ہون جسے اس درد کی دوا کی ذرا بھی فکر نہین ہے" اکثر فرماتے "میری ذلت نے یہود کی ذلت کو مٹا دیا۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا اپنا

عـ۵ تلبیس ابلیس۔ عـ۶ ابن خلکان جلد اول ۲۲۵۔ و رسالۂ قشیریہ ۲۳۔ عـ۷ تذکرۃ الاولیا ۲۹۲

حال بیان کرو۔ اس نے کہا "میں حرف ب کے نیچے کا نقطہ ہوں" یعنی نہایت حقیر چیز ہوں۔ آپ نے سن کے فرمایا "تم میرے گواہ ہو جب تک اپنے لئے کوئی جگہ نہیں معین کرتے"۔ آپ کے انکسار کی یہ حالت تھی کہ فرمایا "ایک مدت سے ارادہ کرتا ہوں لا حسبی اللہ کہوں۔ مگر جب کہنے پر آمادہ ہوتا ہوں دل میں خیال گزرتا ہے کہ میں جھوٹ بکتا ہے۔ اور یہ سن کے میں خاموش ہو جاتا ہوں"۔

عبدالرحمن خراسانی جو آپ کے خوشہ چینان باغ دلایت میں سے تھے کہتے ہیں کہ ایک ترکیبی شخص نے حضرت شیخ شبلی کے دروازے پر جا کے دستک دی۔ آپ گھبرائے ہوئے ننگے سر اور ننگے پاؤں باہر نکل آئے اور پوچھا کسے پوچھتے ہو؟ اس نے شبلی کو پوچھا سنتے ہی بولے "تم نے نہیں سنا ہے مات کا فر شبلی رحمہ اللہ! (کافر مرگیا خدا اس پر رحم نہ کرے)۔

زہد و ریاضت نے آخر الامر آپ کے دل میں رنج و الم اور تکلیف و مصیبت کو ارائی پیدا کر دی تھی۔ رنج سے انس ہو گیا تھا۔ اور تکلیف میں ایک مزہ ملنے لگا تھا۔

چنانچہ درگاہ حضرت رب العزت میں دعا کیا کرتے کہ "خداوندا خلقت تیری نعمتوں کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتی ہے اور میں تیری بلاؤں کے باعث تجھ سے محبت رکھتا ہوں"۔ اور حقیقتاً آپ کو دنیوی سامان عشرت سے بالطبع نفرت تھی چنانچہ ایک دفعہ جوش میں آ کے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ "خدایا دنیا و آخرت دونوں مجھے بخش دے تاکہ ان دونوں کا ایک نوالہ بنا کے کسی یہودی کے منہ

سے رسالۂ قشیریہ ۱۰۔ سے تذکرۃ الاولیا ۱۹۹۔ سے نفحات الانس ۲۰۶۔ سے ایضاً سے طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔

مین رکھ دو ن جس کے بعد یہ دونون پردے خلقت کے آگے سے اُٹھ جائینگے اور
اہل عالم منزل مقصود تک پہونچ سکینگے۔ یہودیون کا حریص و طامع اور انتہا درجے
کا دنیا طلب ہونا یورپ مین بھی مشہور ہے۔ اور مسلمانون کے عہد اولین مین بھی
مشہور تھا۔ لہذا اس تمام سامان عیش کے دینے کے لیے ایک یہودی کو منتخب کرنا
حضرت شبلی کا ایک بڑا شاعرانہ کمال ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس خیال کو اُنھون نے
نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

عبادت و ریاضت کے ساتھ اتقا بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ چنانچہ اپنے اوپر یہ لازم
کر لیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھائین گے۔ پھر اس پر بے نفسی اور یکسوئی بھی
بلا کی تھی کہ بعض افعال سے جو خلوص اور سچے جوش بے نفسی کا نتیجہ ہوتے جنون
کی جھلک نمایان ہو جاتی۔ ایک دن نئے کپڑے پہنے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اُتار کے
اُنھین آگ مین رکھ دیا۔ لوگون نے اعتراضاً کہا "یہ تو شرع کے بھی خلاف ہے" فرمایا
"اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (تم اور
جن چیزون کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہون گے) یعنی جس چیز کی طرف تیرا
دل مائل ہو وہ بھی تیرے ساتھ آتش دوزخ مین جلائی جائے گی۔ اور اس وقت
اس لباس کی طرف میرا دل مائل ہو گیا تھا"۔

بعض اوقات انھین خیالات سے جوش مین آکے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے
تھے۔ اور لوگ سمجھتے کہ مجنون ہو گئے ہین۔ ایک ایسے ہی اتفاق سے موقع پر کسی
کہا "آپ نے اپنے سب کپڑے پھاڑ ڈالے ہین۔ اور عید سر پر آگئی۔ لوگ تو اُس دن

ع تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۲ ع ۵ رسالۂ قشیریہ۔ ۲۲۶۔ س ۵ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۳۔

زیب و زینت کے ساتھ نئے کپڑے پہن کے آئیں گے اور آپ کی یہ حالت بدلی فرمایا "فقیر کی زینت اُس کا فقر اور اُس فقر پر صبر کرنا ہے۔" ایک مرتبہ عید کو (غالباً کسی کے کہنے سننے سے) وہ نئے کپڑے پہن لیے۔ مگر جب عید گاہ میں پہنچے تو دیکھا کہ لباس کے امتیاز کا لحاظ کرکے لوگ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ دنیا پرستی کی یہ تصویر دیکھتے ہی اِن کے دل میں کچھ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اپنے وہ دونوں نئے کپڑے اُتار کے ایک تنور میں ڈال دیے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا؟ جواب دیا "میرے دل میں آئی کہ جس چیز کی یہ لوگ پرستش کر رہے ہیں اُسے جلا دوں" اور اس کے بعد اپنا معمولی زرد و سیاہ فقیرانہ لباس پہن لیا۔

علیٰ ہٰذا القیاس ابو عبداللہ رازی جو نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تھے بیان کرتے ہیں کہ ابن انباری نے مجھے ایک صوف کا کپڑا بھیجا تھا۔ اور اُس کے بعد اتفاقاً میں نے شیخ ابوبکر شبلی کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی۔ جو اُس صوف کے لباس پر موزوں اور اُس کے جوڑ کی تھی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہوتیں۔ انھوں نے اُس ٹوپی کو کچھ ایسی لالچ کی نگاہ سے دیکھا تھا کہ شبلی اِن کے دل کی ہوس پرستی کو سمجھ گئے۔ جب اُس صحبت سے جس میں تھے اُٹھ کے چلے تو ابو عبداللہ رازی کی طرف پھر کے دیکھا۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں یہ اُن کا معمول تھا کہ جب مجھے ساتھ لیجانا ہوتا تو اُٹھتے وقت میری طرف دیکھ لیا کرتے۔ چنانچہ یہ اشارہ پاتے ہی میں اُن کے پیچھے ہو لیا۔ اپنے گھر میں پہونچ کے مجھے بھی اندر بلایا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر مجھ سے کہا "اپنا یہ صوف کا کپڑا اُتار دو

عـــہ طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔

مین نے اُتارے ہوائی تو اُسے لپیٹ کے رکھا۔ پھر اپنی وہ ٹوپی سر سے اُتار کے اُسپر رکھدی۔ اور آگ منگوا کے دونون کو جلا دیا۔[۱]

کچھ اسی واقعہ پر منحصر نہین۔ معمول تھا کہ جب کبھی کوئی کپڑا صوف ہو یا پیراہن ٹوپی ہو یا پائجامہ نفس کو بھلا معلوم ہوتا تو اسے لپیٹ کے آگ مین ڈال دیتے۔ جلا کے خاک کر دیتے۔ اور کہتے "جس چیز کی طرف نفس مائل ہو اور وہ ماسوی اللہ ہو اُس کا تلف کر دینا واجب ہے"۔ لوگون نے عرض کیا "تو حضرت آپ اُسے صدقہ کیون نہین کر دیتے؟" فرمایا "اس طرح اس کی صورت و حالت تو باقی رہیگی۔ کبھی کسی دوسرے کے جسم پر دیکھ کے پھر دل کو رغبت ہوتی ہے۔ جلانے سے وہ جھٹ پٹ تلف ہو جاتا ہے۔ اور خدا کی طرف توجہ پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ختنہ کا حکم ہوا تو انھون نے فوراً کلھاڑی سے اپنا ختنہ کر ڈالا۔ لوگون نے کہا کہ آپ نے اتنا صبر کیون نہ کیا کہ سامان فراہم کر لیتے۔ تو جواب مین ارشاد فرمایا کہ خدا کے حکم مین اتنی تاخیر کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی"۔[۲]

اُن کے لباس کی یہ وضع تھی کہ ابتدا مین وہ کپڑے پہنا کرتے تھے کیونکہ امراے دولت مین تھے۔ اور بنی عباس کے دور مین خود خلفا اور اہل دربار بلکہ تمام امراے مملکت کا لباس سیاہ رنگ کا ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب فقرا اور اہل باطن کے زُمرے مین شامل ہوے تو خرقہ پہننے لگے[۳] جو مشائخ باطن کی عام وضع تھی۔ اور غالباً اُسکا رنگ زرد ہو گا۔ جیسا کہ اشارۃً اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہی رنگ آج تک فقرا و مشائخ مین رواج پذیر ہے۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات مین ہم بیان کر چکے ہین کہ اُنھین خرقہ پہننے

۱۔ القشیریہ ۱۳۹۔ ۲۔ طبقات الکبری ۱۳۲ ۳۔ تذکرۃ الاولیا۔ ۱۹۶۔

سے انکار تھا۔ لیکن عجب ہے کہ اُن کے مرید خاص ابوبکر شبلی کو ہم وہی لباس پہنے دیکھتے ہیں جسے جنید نے اپنے لیے ناپسند کیا تھا۔ بعض کوتہ اندیش، حضرت جنید پر اعتراض کر بیٹھیں گے کہ "انچہ برخود نہ پسندی بر دیگران مپسند" لیکن اتنے بڑے بزرگ پر ایسی ذلیل نکتہ چینی کرنا گستاخی ہے۔

لباس کی بحث آج کل بھی اکثر چھڑا کرتی ہے کیونکہ مسلمانوں کا زمانہ اور طرز معاشرت کا مذاق بدل جانے سے ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں میں انگریزی لباس روز بروز زیادہ رواج پذیر ہوتا جاتا ہے۔ کوتہ خیال بزرگ فرماتے ہیں کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم۔ ان لوگوں کا حشر بھی عیسائیوں ہی کے ساتھ ہوگا۔" نئے خیالات والے آزاد مشرب کہتے ہیں کہ "اسلام ساری دنیا کے لیے ہے۔ اس نے کوئی وردی مخصوص نہیں کی۔ اور یہ حدیث اگر صحیح ہو تو معاملات دینی کے ساتھ مخصوص ہے نہ معاشرت سے۔ ورنہ خود آنحضرت صلعم نے جبّہ رومی پہنا ہے جو اس دور کا انگریزی کوٹ تھا۔"

سچ یہ ہے کہ اب ان تنگ خیالیوں کا زمانہ نہیں رہا۔ اصل امور لوازمات تعلق انسان کی نیت اور اس کے قصد و خواہش سے ہوا کرتا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر گروہ کی ایک وضع ہوتی ہے۔ اور اس کا کوئی نہ کوئی زی و لباس ضرور ہوا کرتا ہے۔ اس زی میں ہونا بغیر زبان سے کہے بتا دیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس گروہ اور طبقہ سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس کی ضرورت دین کو نہیں بلکہ معاشرت کو اور دنیوی سوسائٹی کو ہے تاکہ صورت دیکھتے ہی ہر شخص کے ساتھ اس کی شان و حالت کے مناسب برتاؤ کیا جا سکے لیکن علما و مشائخ چونکہ قوم کے مقتدا اور سرتاج ہوا کرتے ہیں لہذا اُن میں اکثر

اسی لباس کے پہلو سے ریاکاری دلنودا ور تجبر و خیلاء (نخوت) کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔
جس سبب سے عالمانہ اور درویشانہ زی مین دو جہتین پیدا ہو گئی ہین یعنی ممکن ہے
کہ کوئی ریاکاری و خیلاء سے بچنے کے خیال سے اُسے ترک کر دے۔ اور کوئی یہ
خیال کر کے کہ مین جس گروہ کی وضع اختیار کرون گا۔ اُسی گروہ کے خصائل و عادات
اختیار کرنے کا شوق دل مین پیدا ہو گا اُسے اختیار کر لے۔ اگرچہ دونون کے مذاق
مین اختلاف اور بون بعید ہے مگر دونون شخص اپنی جگہ پر نیک نیت ہین اور کمال
پاکبازی کا ثبوت دے رہے ہین۔

حضرت جنید اس قدر مشہور و معروف تھے کہ ضرورت نہ تھی فقیرانہ لباس
کو ذریعۂ تعارف قرار دین۔ بخلاف اس کے اُن کے مریدین کے لیے فقیرانہ وضع کا
قائم رکھنا لازمی تھا کیونکہ اور لوگ درکنار بعض کو شاید بعض اوقات خود بھی بھول
جاتا کہ ہم درویش ہین یا کوئی دنیا دار۔ رہا یہ کہ حضرت شبلی نے ارادت کے مراحل
طے کر کے جب ارشاد کا درجہ حاصل کر لیا تو اُس وقت بھی اِس لباس سے کیون نہ
کنارہ کشی کی اِس کا فیصلہ مناسب ہو گا کہ ہم حضرت شبلی ہی کے مذاق و خیال پر چھوڑ دین۔
اُنھین اپنی بے نفس طبیعت پر اطمینان تھا کہ اُن کا خرقہ کبھی دلق سالوس نہ بنے گا۔
اور کبھی کبر و نخوت مین نہ مبتلا ہون گے۔ اور اپنے فقیرانہ مشاغل کا شوق قائم رکھنے
کے لیے وہ مناسب نہین سمجھتے تھے کہ اُس مقدس گروہ کے زی و لباس کو چھوڑ دین۔
اسی طرح آج کل کے کوٹ پتلون پہننے والون کی نسبت بھی ہمین کوئی عام رائے
نہ قائم کر دینی چاہیے کیونکہ اِن مین بھی مختلف مذاق و مقاصد کے لوگ ہین۔ اور اسکے
لیے بھی مختلف جہتین پیدا ہو گئی ہین۔ بعض اِسے آج کل کی وضع امارت تصور کرتے ہین۔

بعض اس میں مجبور ہیں یا وہ قسم کی معاشرتی سہولتیں اور خوبیاں پاتے ہیں بعض بجاے عیسائیوں کے اسے ترکوں کا لباس خیال کرکے اختیار کرتے ہیں۔ اور شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا جو محض اس لیے انگریزی لباس پہنتا ہو کہ عیسائیوں کا لباس ہے۔ اور سب سے بڑی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو دینی مسئلہ بنانا ہی غلطی ہے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر بیان کرچکے ہیں یہ ایک معاشرت و سوسائٹی کا مسئلہ ہے۔ اور دنیوی امتیاز و تعارف کے لیے ہے نہ ثواب و عقاب حاصل کرنے کے لیے۔

حضرت شبلی اگرچہ عموماً زرد رنگ کا لباس پہنا کرتے تھے مگر کبھی کبھی سیاہ لباس بھی پہن لیا کرتے چنانچہ ایک مرتبہ عید کے دن سیاہ کپڑے پہنے وجد و بیخودی کی حالت میں نظر آئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ سیاہ کپڑے کیوں؟ "فرمایا خلقت کی مصیبت کے غم میں اس لیے کہ خدا سے غافل ہے۔"[۱]

حضرت شبلی گو خود خرقہ پوش تھے مگر نمائشی خرقہ پہننے والوں کی نسبت ان کے جو خیالات تھے اُن کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایک شخص نے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کے عرض کیا کہ "آپ کے اصحاب اور مریدوں کی ایک جماعت آئی ہے۔ اور وہ لوگ جامع مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" آپ اُن سے ملنے کو تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سب کے سب خرقہ پہنے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہی فرمایا "اما الخیام فانھا کخیامھم واری نساء الحی غیر نساءھا" (خیمے تو ہاں ویسے ہی ہیں مگر قبیلہ کی عورتیں دوسری معلوم ہوتی ہیں) یعنی لباس تو بے شک تارک الدنیا بزرگوں کا سا ہے مگر پہننے والے ویسے نہیں بلکہ نفس پرست ہیں۔[۲]

---

[۱] تذکرۃ الاولیا۔ [۲] تلبیس ابلیس ذکر تلبیس علی الصوفیۃ فی لباسھم۔

آپ کا معمول تھا کہ بغداد میں جامع منصور کے اندر فقیہ ابو عمران کے حلقۂ درس کے برابر بیٹھ کے خلق اللہ اور طالبان حقیقت کو روحانی درس دیا کرتے۔ اور گرد مریدوں کا حلقہ ہوتا۔ آپ کے خادم ابو بکر اصفہانی بھی اِس حلقۂ فیض میں شریک رہا کرتے۔ اُنھیں کا بیان ہے کہ ابن سمعون جو بعد کے زمانے میں ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے ولی کامل ہوئے ہیں اور "الناطق بالحق" کے محترم لقب سے مشہور تھے اُن کا بچپن کا زمانہ تھا۔ ایک نہایت ہی پُر تکلف ٹوپی بانکپن کی وضع سے پہنے ہوئے بچوں کی طرح وہ مسجد میں داخل ہوئے۔ شبلی کے قریب آئے۔ اور بغیر اِس کے کہ اُنھیں سلام بھی کریں آگے بڑھ گئے۔ وہ پیٹھ پھیرے جا رہے تھے کہ شبلی نے اُن طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا "ابو بکر جانتے بھی ہو کہ اِس بچے میں خدا نے کیا کیا ذخیرے رکھے ہیں"؟

یہاں حضرت شبلی کی فصیح البیانی اکثر اوقات ابو عمران کے حلقۂ درس کے طلبہ کو خاموش کر دیا کرتی اور ان کا وعظ سُننے کے شوق میں وہ اپنا درس بھول جایا کرتے۔ ایک دن ابو عمران کے طلبہ نے اپنے زعم میں خیال کیا کہ کوئی فقہی مسئلہ پوچھ کے ہم شبلی کو خاموش کر دیں گے۔ اور مجمع عام میں شبلی کی سُبکی ہو گی۔ چنانچہ اُنھوں نے آپ سے مسئلۂ ... پوچھا۔ اُنھوں نے اس مسئلہ میں علمائے سلف اور مجتہدین کے اقوال بیان کرنا شروع کر دیے۔ پھر اُن کے باہمی اختلافات بتائے۔ غرض ایسی سچی اور پُر اثر تقریر کی کہ تمام سامعین مبہوت وحیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ابو عمران نے اُٹھ کے شبلی کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا "ابو بکر میں نے اِس مسئلے میں بارہ نئی باتیں تم سے حاصل کی ہیں جن کو اِس سے پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔

ع۵ رسالۂ قشیریہ۔ ۳۵ ۱۵ء نفحات الانس۔ ۲۲۱۔

تم نے جو کچھ بیان کیا اس میں سے صرف تین امر مجھے معلوم تھے۔[1]

یہی صحبت تھی جس میں منبر پر بیٹھ کے وہ اُن رموز عرفان اور باریک حکم وحدت کو بیان کیا کرتے تھے جن کی نسبت حضرت جنید کو خاص طور پر اخفا کا اہتمام رہتا اور بار بار حضرت شبلی سے کہتے کہ مجمع عام میں بیان نہ کرو۔ آپ اس صحبت میں ہر قسم کی ایسی تعلیم دیتے اور رموز و اسرار توحید کی تشریح کرنے کے لیے اس قدر مستعد رہتے تھے کہ کبھی اگر ایسا اتفاق ہوتا کہ سامعین [illegible] ذرا سُست پڑ جاتے۔ اور کوئی طالب حقیقت کوئی بات نہ پوچھتا تو چلا کے کہتے "وقع القول علیہم بما ظلموا فهم لا ینطقون"[2] (ان کے ظلم کی وجہ سے ان کی نسبت خدا کا جو کہنا تھا پورا ہوا۔ لہذا اُن کے منہ سے بات نہیں نکلتی)

زندگی میں بارہا بیمار ہوئے ہوں گے۔ مگر صرف دو بار ایسا اتفاق ہوا کہ لوگ اُنھیں بیمارستان یعنی دار الشفا میں اٹھا لے گئے۔[3] لیکن وہاں بھی ان کی ولایت و قناعت اور راضی برضائے الٰہی ہونے کی شان قائم رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک بار طبیب نے کہا "پرہیز کیجیے" کہا "کس چیز سے؟ جو قسمت میں ہے اس سے یا اُس سے جو نہیں ہے؟ جو چیز تقدیر میں ہے وہ ہر طرح پہنچے ہی گی۔ رہی وہ جو نہیں ہے اُسے میں چاہوں بھی تو نہیں مل سکتی۔"[4]

سنہ ۳۰۱ھ میں المقتدر باللہ نے علی بن عیسیٰ کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا تھا جس نے سنہ [illegible] میں دولت عباسیہ کی وزارت کا چارج لیا اور پبلک نفع رسانی

ع۱ رسالہ قشیریہ ص ۲۳۔ مرآۃ الجنان یافعی۔ واقعات سنہ ۳۳۴ھ ع۲ رسالہ قشیریہ ص ۲۲

ع۳ نفحات الانس ۸۷۔ ع۴ تذکرۃ الاولیاء ۲۰۰

کے لیے بہت سے کام کیے مسجدین تعمیر کرائیں پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی ۔ اُن میں فرش اور روشنی وغیرہ کا انتظام کیا۔ اماموں قاریوں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ جابجا دارالشفائیں قائم کیں۔ اُن پر نامی گرامی اطبا مقرر کیے۔ اور دوا وغیرہ کے علاوہ مریضوں کے آرام و راحت کا بھی بندوبست کیا جہاں یہ سب انتظامات ہوئے۔ وہاں خدا کی قدرت کہ اسی سال مارے عراق میں امراض وبائیہ میں لوگ اس قدر مبتلا ہوئے کہ ہزار ہا خلقت مر گئی یہی کہ بہت سے مکانوں کے دروازے بند ہو گئے۔ کیونکہ کوئی رہنے والا باقی نہ رہا تھا۔

انھیں دنوں اتفاقاً ابوبکر شبلی بھی سخت بیمار ہوئے۔ اور دارالشفا میں لاکے رکھے گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ آپ کے فضل اور کمال باطنی کا معتقد تھا اسے خبر ہوئی تو فوراً خلیفۂ وقت المقتدر باللہ کو مطلع کیا۔ خلیفہ نے بھی شبلی کی بیماری کو اس قدر اہم تصور کیا کہ اپنے طبیب خاص کو جو سرالاطبا ہونے کے شرف سے ممتاز اور ملت عیسوی کا پیرو تھا آپ کے علاج پر مامور کیا۔ اس نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ اور خدا نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔ صحت کے بعد اُس دربار خلافت کے مقرب طبیب نے ایک دن شبلی سے کہا خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے علاج کے لیے اپنے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ دینے کی ضرورت ہے تو میں اس سے کبھی پس و پیش نہ کرتا۔ بلکہ خوشی سے گوارا کر لیتا۔ یہ سن کے شبلی نے جواب دیا۔ مگر میری دوا اس سے بہت سہل ہے۔ حکیم صاحب نے پوچھا "وہ کیا؟" فرمایا "یہ کہ اپنی صلیب توڑ کے مسلمان ہو جاؤ۔" طبیب اِن کے کمالات کا اس قدر معتقد ہو چکا تھا کہ اس حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور بلا تامل پیروان دین

عہ ابن اثیر جلد ہشتم ۔ ۲۲ ۔ ۲۷ ۔

محمدی میں داخل ہو گیا۔ جب یہ خبر خلیفۂ المقتدر باللہ کو پہونچی تو ہنس کے بولا "جنھیں مریض کے پاس طبیب کو بھیجنا تھا یہیں سمجھے تھے کہ طبیب کے پاس مریض کو بھیجتے ہیں"

خدا جانے یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے یا کسی اور زمانے کا کہ بیمار ہوئے۔ اور دارالشفا میں جا کر رہے۔ وزیر سلطنت (اُن دنوں جو کوئی ہو) عیادت کو آیا۔ اُس نے اِس سے پیشتر اکثر اُن کو یہ کہتے سُنا تھا کہ "نبی صدیق کا معجزہ ہو وہ مجھ سے ہو" اب اس موقع پر اُس نے باتوں باتوں میں آپ کا یہ مقولہ یاد دلا کے کہا "ہاں یہ تو فرمائیے کہ آپ کا وہ معجزہ کیا ہوا؟" سُنتے ہی جوشِ دینی کے لہجے میں بولے "میرا معجزہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے اوامر و نواہی میں اُس کے حکم کی پیروی کرواتا ہوں"[a] اور سچ یہ ہے کہ یہی ہر مومن و دیندار کا معجزہ ہونا چاہیے۔ اِس واقعہ میں معجزہ لغوی معنوں میں "کرامت" کے محل پر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ متاخرین کی اصطلاحِ شرع میں معجزہ صرف اُس خارقِ عادت واقعہ کو کہتے ہیں جو کسی پیغمبر سے ظاہر ہو۔

بیماری اور دارالشفا میں پڑے ہونے کے زمانے میں بھی آپ کے جذبات ولی اکثر نظر آجاتے۔ اور جوشِ وحدت کی بیخودیاں عجیب شان دکھاتیں۔ چنانچہ دارالشفا میں پڑے ہوئے تھے کہ چند لوگ ملنے کو آئے۔ آپ نے اُن سے پوچھا "تم کون لوگ ہو؟" اُنھوں نے عرض کیا "ایں! آپ نے پہچانا نہیں! ہم آپ کے دوست اور احباب ہیں۔ بیمار سُنا تھا۔ عیادت کو حاضر ہوئے ہیں" سُنتے ہی آپ پر جذبہ سوار ہوا تو پتھر پھینک پھینک کے اُنھیں مارنا شروع کیا۔ اور وہ سب بدحواس بھاگے تب اُن سے چلا کے کہا "جھوٹو! میرے دوست ہو تو میری مصیبت پر صبر کرو"[b]

[a] روض الریاحین یافعی ۱۴۳۔ ۱۱۵ [b] طبقات الکبریٰ للشعرانی ۱۲۰ [c] رسالہ قشیریہ ۱۱۲۔ ۱۹

یہ بے صبری کیسی کہ یہاں دوڑے آئے ہو؟"

یہ جوش جنون کی سی شان آپ پہ زیادہ تر وفورِ عبادت اور جذباتِ وحدت میں محو ہو جانے کے سبب سے طاری رہا کرتی تھی۔ اور بہت کچھ دخل اس میں اس امر کو بھی تھا کہ متعدد مجنونوں کو دیکھا جن کی باتوں میں آپ کو نورِ حق کا جلوہ نظر آ گیا۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن بہلول (جن کا نام ہمارے فارسی لٹریچر میں بہت مشہور ہے اور باوجود مجنون ہونے کے بہلول دانا کہے جاتے ہیں) میرے قریب سے ہو کے گذرے۔ ایک نرکل پیروں کے نیچے تھا جس پر بچوں کی طرح سوار تھے۔ ہاتھ میں ایک گرز تھا اور مقام جبانہ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا "بہلول کدھر کا ارادہ ہے؟" بولے "اللہ جل شانہ کے سامنے جاڑہ دینے جا رہا ہوں"۔ یہ کہہ کے چلے گئے۔ اور میں خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ پلٹے چلے آتے ہیں۔ اور اس حالت سے کہ وہ نرکل جو اُن کا گھوڑا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ اور دونوں آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی ہیں۔ میں نے پوچھا "کہو کیا گذری؟" جواب دیا "اُس کے سامنے میں جا کے کھڑا ہوا۔ امید تھی کہ خادموں میں میرا نام لکھ جائے گا لیکن جیسے ہی مجھے پہچانا نکلوا دیا"۔ یہ کہہ کے بہلول تو چلے گئے۔ مگر ان کے دل پر ایسا اثر نہیں چھوڑ گئے تھے کہ زندگی بھر مٹ سکتا۔

علیٰ ہذا القیاس فرماتے ہیں ایک جمعہ کو جامع رُصافہ کے پاس میں نے ایک مجنون کو دیکھا کہ ننگا کھڑا ہے اور کہتا ہے "میں اللہ میاں کا سڑی ہوں"۔ میں نے کہا "اللہ میاں کے سڑی ہو تو پھر اُس کی مسجد میں کیوں نہیں آتے کہ کپڑے پہن

عہ روض الریاحین یافعی - ۵۰ - ۵۱ -

نماز پڑھو" میری یہ درخواست سن کے اس نے یہ دو شعر پڑھے۔

يَقُوْلُوْنَ زُرْنَا وَاقْضِ وَاجِبَ حَقِّنَا وَقَدْ اَسْقَطَتْ حَالِيْ حُقُوْقَهُمْ عَنِّيْ

کہتے ہین کہ ہماری زیارت کو آو اور ہمارے مفروضہ حقوق ادا کر۔ حالانکہ میری

حالت ایسی ہو رہی ہے جس نے ان کے تمام حقوق میرے اوپر سے ساقط کر دیے

اِذَا اَبْصَرُوْا حَالِيْ وَلَمْ يَأْنَفُوْا لَهَا وَلَمْ يَأْنَفُوْا مِنْهَا اَنِفْتُ لَهُمْ مِنِّيْ

جب انھون نے میری حالت دیکھی اور اس کی پروا نہ کی اور اس سے تعلق

نہ رکھا تو مین نے بھی انھین اپنی طرف سے بے تعلق کر دیا۔

خود ہی ایک[۱] دفعہ کا واقعہ بیان کرتے ہین کہ مین نے دیکھا ایک مجنون چلا

جاتا ہے اور بازار کے لڑکے اس کے پیچھے ہین جو اسے پھینک پھینک کے پتھر

مار رہے ہین۔ یہان تک کہ ان پتھرون سے اس غریب کا سر پھٹ گیا اور سارا

منہ خون آلودہ ہے۔ یہ حالت دیکھ کے مین نے لڑکون کو جھڑکا اور ڈانٹا کہ "کیون

اس غریب کو ستاتے ہو؟" لڑکون نے کہا "جناب آپ اس مین دخل نہ دین۔

ہم اسے بے مارے نہ رہین گے۔ یہ کمبخت تو کافر ہے!" مین نے کہا "تم نے کیسے

جانا کہ یہ کافر ہے؟" سب بولے "جناب اس کے دل مین بسی ہوئی ہے کہ مین خدا

سے ملتا ہون۔ اور اس سے باتین کرتا ہون"۔ تب مین نے کہا "اچھا ذرا ٹھہرو۔ مین

اس سے دو دو باتین کر لون"۔ پھر مین اس مجنون کے قریب گیا تو دیکھا کہ آپ ہی

آپ باتین کرتا اور ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے "بس یہ تو نے خوب کیا کہ ان لڑکون کو مجھ پر

---

[۱] ابن خلکان۔ ۳۵۔ و مرآۃ الجنان حالات ۳۳۴ھ

مسلط کر دیا۔ تاکہ ستائین "۔ مین نے کہا "تم سنے سنا بھی کہ اُسکے کیا کہتے ہین ؟" فوراً میری طرف دیکھے بغیر کہا "ابن الشبلی!" پھر پوچھا "کیا کہتے ہین ؟" مین نے کہا کہتے ہین کہ تم اپنے گمان مین خدا کو دیکھتے اور اُس سے باتین کرتے ہو؟" یہ الفاظ سنتے ہی اُسنے جوش و خروش سے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا شبلی قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے اپنی محبت مین مبتلا کیا۔ اور پھر اپنے قرب و بعد کے درمیان مین اٹکا رکھا ہے۔ ایک چشم زدن کے لیے بھی اگر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائے تو مین صدمۂ فراق سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤن"۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی ۔۔۔ و مثواک فی قلبی فاین تغیب

(تیرا خیال میری آنکھون مین ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تیرا مقام میرے دل مین ہے۔ پھر تو کہان چھپ کے جائے گا؟) اور یہی شعر پڑھتا ہوا بھاگا چلا گیا۔[1] اگر غور سے دیکھیے تو یہ واقعات بھولنے والے نہ تھے۔ اور ایک شخص کو جیسا دل حضرت ابو بکر شبلی کا ایسا ہو خدا جانے کیا بنا دے سکتے تھے۔ اِن سب پر طرّہ یہ ہوا کہ انھین دنون حسین بن منصور حلاج کا واقعہ پیش آیا۔ جو انھین کے مرشد حضرت جنید کے مرید۔ جذبات مین ڈوبے ہوئے۔ اور ایسے مخفی الحال شخص تھے کہ خدا جانے کیا تھے اور کس مذاق کے تھے۔ صوفیۂ متاخرین اور تقریباً کل شعرائے فارس نے اُنھین ایک ولی کامل۔ اعلیٰ درجے کا صوفی صافی۔ جذبات وحدت مین غرق۔ اور فنائیت کے درجے پر پہونچا ہوا شیخ باطن تسلیم کر لیا ہے۔ گو اُن کی نسبت بڑے بڑے اختلافات ہین مگر صوفیۂ متاخرین کا دعویٰ ہے کہ اُنھون نے جوش مین آکے نعرۂ

---

[1] روض الریاحین یافعی۔ ۵۲۔

"انا الحق" بلند کیا یہ خلاف شرع شریف دعوے اگرچہ اہل ذوق کے گوش باطنی کو ناگوار ہونے سے عوض سچا معلوم ہوا مگر علمائے خلیفہ المکتفی باللہ کے دربار میں شکایت پیش کی جس کے حکم سے اس عہد کے علما اور قاضیون نے قتل کا فتوی دیا۔ اور حسین بن منصور مصلوب ہونے کے بعد قتل کیے گئے۔

ظاہر ہے کہ خود اپنے ہی مرشد کے ایک مریداور اپنے ہی مکتب عرفان کے ایک طالب حق کو ایسی حالت مین مبتلا دیکھ کے آپ نے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟ اور کیسے کیسے خیالات دل مین گذرے ہون گے؟ تاہم اتنی احتیاط ضرور تھی کہ جب منصور نے آپ کو اپنے ہم خیال وہم عقیدہ لوگون مین بتایا تو آپ نے اگرچہ اس خیال وعقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کی مگر حسین بن منصور حلاج کے قتل کا فتوی دینے سے بھی ہاتھ روکا۔ اور جو کچھ فرمایا صرف اس قدر تھا کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہون۔ روکا جائے۔[1] جس امر مین کہ ابوالعباس عطا۔ ابو عبد اللہ خفیف ابوالقاسم نصرآبادی اور ابوالعباس سریج کے ایسے نامی گرامی بزرگان زمانہ نے بھی آپ سے اتفاق کیا۔ بلکہ متاخرین کی ایک روایت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شبلی نے چاہے صریح الفاظ مین حلاج کے اقوال کی تصدیق نہ کی ہو مگر ضمناً ان کی حقیقت تسلیم کرلی۔ اس لیے کہ حلاج جب مصلوب کیے گئے تو شبلی سولے کے نیچے جاکے کھڑے ہوئے۔ اور ان سے کہا۔ "اولم ننھک عن العالمین" (یعنی اہل عالم پر آشکارا کرنے سے ہم نے تمھین نہین منع کیا تھا؟) جس قاضی نے قتل کا فتوی دیا تھا سن کے بولا "وہ (حلاج) تو پیغمبری ہی کا دعوی کر رہا تھا مگر یہ (شبلی) خدائی کا بھی دعوی کر رہے ہین۔"

---

[1] تلبیس ابلیس۔ باب ۱۰ فصل ۵۔

شبلی نے اس کے جواب میں کہا "جو یہ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا ہوں مگر فرق یہ ہے کہ دیوانگی نے مجھے بچا لیا۔ اور عقل نے انھیں تباہ کیا"۔

لیکن ہمیں مذکورۂ بالا واقعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ ہمدانی کی یہ روایت زیادہ قابل وثوق ہے کہ "حسین بن منصور کے قتل کے وقت جناب شبلی نے فاطمۂ نیشاپوریہ نام ایک عورت کو ان کے پاس بھیجا۔ اور اس کے ذریعہ چند باتیں دریافت کرائیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی کہ "تصوف کیا چیز ہے؟" اس کا جواب الحلاج نے یہ دیا کہ "جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ کیونکہ میں نے بجز اس لمحہ کے ازل کبھی ایک گھڑی کے لیے بھی لذت والم میں امتیاز نہیں کیا"۔

حضرت شبلی کو سب سے پہلے قناعت کا سبق دیا گیا تھا اور اسی وجہ سے آپ میں دنیا طلبی نام کو بھی نہ تھی۔ مگر دنیا بری چیز ہے۔ ایک آدھ مرتبہ کسی دنیادار سے کچھ درخواست کرنے پر مجبور ہونا ہی پڑا۔

چنانچہ ایک امیر کے پاس آدمی بھیج کے کچھ منگوایا تو اس نے اعتراضاً کہلا بھیجا "جس سے آخرت و عقبیٰ کے طالب ہوا کرتے ہو اسی سے یہ بھی مانگو"۔ یوں تو شیخ شبلی بہت ہی سبک نفس بزرگ تھے مگر زہد و تقویٰ اور ریاضت و عبادت نے انھیں تو خیال و خدا پرستی کے بارے میں بڑا ہی صاحب جلال بزرگ بنا دیا تھا۔ جواب میں اس کے پاس کہلا بھیجا کہ "تو ذلیل ہے اور دنیا بھی ذلیل ہے۔ اس کے مقابل خدا شریف ہے اور آخرت بھی شریف ہے۔ لہذا میں ذلیل کو ذلیل سے اور شریف کو شریف سے

عسه نفحات الانس ۱۳۹ ۱۵۰ عسه لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ از ابتدا تا عہد فردوسی مصنفہ ایڈورڈ براون۔ صفحہ ۴۳۲۔

ما نگتا ہون ۔ گو اس جواب کے ایک ایک لفظ سے غیظ و غضب اور جوش و جلال کی چنگاریان نکل رہی ہین ۔ مگر کس قدر سچی بات کہی ہے ۔

ایسا نہ تھا کہ آپ صرف اپنے مدرسۂ باطن کے طلبہ اور حلقہ نشینان درسگاہ ارادت کی رہبری و مقتدائی اور تعلیم و تربیت ہی مین مشغول و مصروف رہتے ہون اور دیگر ائمۂ باطن کی تعلیمون اور اُن کے حالات سے بے پروا ہو جائین ۔ یہ سچ ہے کہ ایک عابد و مرتاض بزرگ کا کام یہ ہے کہ جس سے لو لگائی اس کے سوا کل چیزون کا خیال صفحۂ دل سے مٹا دے ۔ لیکن چونکہ آپ امام اہل باطن تھے اور اپنے نفس کی تکمیل کے سوا دوسرون کے کمال کی فکر مین بھی رہا کرتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ دیگر مشائخ باطن اور معاصر علمائے طریقت کے حالات و تعلیمات کی تنقید بھی فرماتے رہین ۔

اس بارۂ خاص مین آپ کی سرگرمی اور جستجو کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے ابو علی ثقفی کے کمالات باطن کی کیفیت سُنی جو خراسان کے شہر نیشاپور مین گوشہ گیر تھے اور بلاد مشرق کے شیخ طریقت بنے ہوئے تھے تو اپنے حلقۂ ارادت کے ایک معتمد و صاحب علم شخص کو نیشاپور بھیجا اور حکم دیا کہ پورے ایک سال تک ہر صبح و شام اُنکی صحبت مین شریک ہو اُنکی زبان سے جتنی باتین سُنو اُن کو بقید وقت لکھو ۔ اور پھر ملفوظات کے اس ذخیرہ کو میرے سامنے لا کے پیش کرو ۔ وہ شخص گیا ۔ اور اس طرح خاموشی کے ساتھ شیخ ابو علی ثقفی کے پند و نصائح کو قلمبند کرتا رہا کہ نیشاپور مین کسی کو گمان بھی نہین گذرا کہ بغداد کے شہنشاہ معرفت کا کوئی جاسوس خراسان کے اس روحانی دربار مین موجود ہے ۔ یہ ملفوظات اُس نے اس ترتیب سے جمع کیے کہ

---

۵ عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی ۔ ۱۶۲ ۔

دو جلدین کرین - ایک مین صبح کے وقت کی تعلیمین تھین اور ایک مین شام کے وقت کی۔ ختم سال پر جب وہ مریدان ملفوظات کو لے کے حاضر ہوا تو آپنے دونون جلدنکو بے خوض و تعمق کی نظر سے ملاحظہ فرمایا - اور غور کامل کے بعد فرمایا "اس شیخ کی صبح کی باتین تو علم حقائق کے رموز ہی نہین معجزات ہین - مگر رات کا کلام ناقص و فاسد ہے - اور حقیقت معرفت سے دور - اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہو کہ شب کو وہ اپنے ستر ہی مشاغل مین مصروف رہتا ہے - اور صبح کو ایسا پاک باطن اٹھتا ہے کہ کلام مین یہ اعلیٰ درجے کی خوبیان نظر آتی ہین ؛ یہ کہہ کے اپنے اُس شاگرد سے پوچھا تم نے شیخ کے گھر مین جا کے فرش ظروف اور سامان خانہ داری کو بھی کبھی دیکھا تھا وہان اُس قسم کی چیزین ہین جنھین لوگ زینت دنیا کہتے ہین ؟" عرض کیا "جی ہان مین نے وہان فرش دیکھا - اور اکثر ایک دمشقی طشت کو دیکھا کرتا جو مکان کے ایک کونے مین رکھا رہا کرتا تھا" اتنا سنتے ہی آپ جوش و خروش سے چلا اُٹھے - اور فرمایا "بس یہی چیز ہر شام کو اُن کی حالت بدل دیا کرتی ہے"[1]

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ باوجود مشاغل باطنی اور خدا شناسی کے جذب و جوش کے آپ معاصر مشائخ باطن کے حالات سے کس قدر واقف رہا کرتے تھے -

آپ کی حالت پر غور کیا جائے تو اول سے آخر تک خوف الٰہی کے جذبات طاری نظر آتے ہین - اور خود ہی فرماتے تھے "کبھی ایسا اتفاق نہین ہوا کہ مجھ پر خوف طاری ہوا ہو اور ساتھ ہی حکمت و عبرت کے دروازے میرے دل پر نہ کھل گئے ہون"[2]

آپ کے خصائل و عادات سے حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بھی

---

[1] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۱۴۲-۱۴۳ [2] تذکرۃ الاولیا - ۲۰۴

اپنی بے مثل و بے نظیر اخلاقی و روحانی کتاب بوستان مین فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ واقعہ
یہ ہے کہ آپ نے ایک دن گیہون کا ایک بوجھ پیٹھ پر لادکے بازار سے گاؤن مین
پہونچایا۔ وہان پہونچ کے نظر آیا کہ گیہون مین ایک چونٹی بھی چلی آئی ہے۔ رات کو
سوئے تو نیند نہ آئی کہ مین تو اپنی خوابگاہ مین ہون اور وہ چونٹی میرے سبب سے
بے خانمان ہو گئی۔ آخر اُسے گیہون مین سے ڈھونڈھ کے نکالا اور جہان سے لائے
تھے وہین پہونچا آئے تب چین پڑا۔ چنانچہ اسی واقعہ کو شیخ سعدی نے ان دلکش
الفاظ مین نظم فرمایا ہے:-

یکے سیرت نیکمردان شنو	اگر نیکمردی و پاکیزہ رد
کہ شبلی ز حانوت گندم فروش	بدہ برد انبان گندم بدوش
نگہ کرد مورے در غلہ دید	کہ سرگشتہ از ہر طرف میدوید
ز رحمت بر و شب نیارست خفت	بماوای خود باز بش آورد و گفت
مروت نباشد کہ این مور ریش	پراگندہ گردانم از جای خویش

محویت۔ اور ذوق شوق

اسلام نے ان گذشتہ تیرہ سو برس مین بڑے بڑے باخدا اور برگزیدۂ بارگاہ
لم یزلی پیدا کیے جن مین صحابۂ کبار اور بعد کے طبقون مین ابوبکر شبلی سے بہت زیادہ
مرتبہ کے خداشناس و خدارسیدہ گزر گئے ہین لیکن اس جوش لقا اور ایسے ذوق و
شوق کے لوگ کم نظر آتے ہین۔ فرمایا کرتے تھے "چالیس برس سے تمنا ہے کہ

ع؎ بوستان۔ باب دوم۔ ۱۵۴۔

ایک گھڑی کے لیے خدا کو جانُون اور پہچانون" اسی جوش کو دوسرے الفاظ مین یون آشکارا فرماتے ہین "اس آرزو مین عمر گذر گئی کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی خلوت نصیب ہو کہ شبلی درمیان مین نہ رہے"[1]

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ مین ایک دن ابوبکر شبلی سے ملنے کے لیے اُنکے گھر پر گیا۔ تو دیکھا کہ بار بار چلاتے ہین اور کہتے ہین "جسے قُرب کی عادت ہو اُسے بُعد مین صبر نہین آتا۔ اور جسے تیری محبت ہے اُس مین تیرے ہجر کی برداشت نہین۔ اگر تجھے آنکھ نہ دیکھے تو دل دیکھ رہا ہے"[2]

جب کوئی فقیر ملنے کو آتا تو پوچھتے "تمھارے پاس کچھ خبر یا کچھ پتہ ہے؟" پھر مجنون عامری کا یہ مشہور شعر پڑھتے۔

اُسائل عن لیلیٰ فہل من مُخبِرٍ　　　یُخبّرنا علماً بھا این تنزل

"لیلےٰ کو پوچھتے ہو؟ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہان جا کے ٹھہری ہے؟" اس کے بعد آپ ہی فرماتے "قسم ہے تیرے عزت و جلال کی خود تیرے سوا دونون جہان مین کوئی بتانے والا نہین"[3]

سچے خدا طلب اور خدا پرست کی شان بتاتے ہین کہ "اگر مین حق کا پورا پورا مرتبہ جان جاتا تو پھر کسی ماسوی اللہ سے نہ ڈرتا"[4] اور سچ یہ ہے کہ سچے موحد سے زیادہ آزاد و بیخوف شخص دنیا کے پردے پر نہین ہو سکتا۔ یہی آزادی اور جرأت و شجاعت تھی جو توحید نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مین پیدا کر دی تھی۔ ایک مجذوبے دین

---

[1] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۷۔ [2] مرآۃ الجنان یافعی۔ بیان ۳۳۴ھ۔ [3] طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۴

[4] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۷۔

شخص ہرگز اتنا آزاد و جری نہیں ہو سکتا جتنا کہ ایک سچا و مجرد خدا پرست ہوتا ہے۔
جوشِ توحید سے بیتاب ہو کے جی کبھی آپ کہہ اٹھا کرتے "جب تک یہ نہ ہو کہ روئے
زمین پر خدا کا کوئی اور یاد کرنے والا نہ باقی رہے مجھے چین نہ آئے گا۔" بعض بزرگان
صوفیہ نے حضرت شبلی کے اس قول کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ "جب تک میں دریا
شہود میں نہیں پہونچ لیتا مجھے چین نہیں آتا۔ کیونکہ اس مقام پر ذکر نہیں ہے" لیکن سیدھی
سادی یہ بات ہے کہ عشقِ الٰہی نے ایک جوشِ رقابت پیدا کر دیا ہے۔ اور ذکرِ
الٰہی کی دھن میں محو ہو جانے کی آرزو یہ تمنا کر رہی ہے کہ بس میری ہی آواز میرے
کان میں آ رہی ہو اور کسی کی نہیں۔ میں ہی ہوں اور سارا عرصۂ ہستی فنا ہو۔
درگاہ رب العزت میں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ "خداوندا۔ اگر تو آسمان کو میری
گردن کا طوق۔ زمین کو میرے پاؤں کی بیڑی۔ اور سارے جہان کو میرے خون
کا پیاسا بنا دے تو بھی میں تجھ سے رُوگردان نہ ہوں گا۔" اس کے بعد محویت کے
مقام پر پہونچ کے فرماتے ہیں "کل کائنات کی یہ ہستی نہیں کہ میرے دل پر گزر کر سکے
پھر بھلا اُس کے دل پر اس کا گزر کیسے ہو سکتا ہے جو حق تعالےٰ کو جانتا ہو۔" سبحان اللہ
کتنا بڑا دعویٰ ہے اور پھر اُس کے ساتھ کیسا انکسار!

ایک دن نمازِ عصر میں دیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ آفتاب اُفقِ مغرب کے قریب
پہونچ گیا جب خیال آیا تو فوراً اٹھ کے نماز پڑھی پھر لوگوں کی طرف ہنستے ہوئے دیکھ کے
فرمایا "کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:-

نسیتُ الیومَ مِن عِشقی صلاتی   فلا ادری عِشائی مِن غدائی

---

۱ طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲ و ۱۲۳۔   ۲ تذکرۃ الاولیا ۷۰۵۔ ۷۰۶۔

رنج اپنے عشق کی دھن میں میں نماز پڑھنا بھول گیا۔ تو اب خبر ہی نہیں ہوتی کہ کب شام ہوئی اور کب صبح ہوئی۔

ایک دن خلوت گاہ خاص میں تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا کون ہے؟ آواز آئی "ابوبکر" (کوئی صاحب ہوں گے) فرمایا "اس وقت تو اگر ابوبکر صدیق بھی آئیں تو دروازہ نہ کھولوں گا۔ جائیے مجھے فرصت نہیں ہے"

ابو مقاتل عکی کا بیان ہے کہ "میں ایک مرتبہ ابوبکر شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ موچنے سے بھووں کے بال اکھاڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا حضرت آپ اپنے بال اکھاڑتے ہیں اور میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے" فرمایا "افسوس کہ حقیقت مجھ پر ظاہر ہو گئی ہے اور میں ضبط و برداشت کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں عمداً اپنے جسم میں درد کو پیدا کرتا ہوں کہ شاید اس الم میں وہ تکلیف بھول جائے۔ مگر کیا کروں کہ نہ درد محسوس ہوتا ہے نہ وہ تکلیف جاتی ہے۔ اور نہ اس کے برداشت کرنے کی طاقت ہے"

ایک مجلس میں آپ کو بار بار "اللہ" "اللہ" کہتے سن کے ایک درویش بولا "لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے ہیں؟" یہ سنتے ہی ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا "ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو لا کہوں اور دم نکل جائے" یہ بے مثل اور عاجز کر دینے والا فقرہ اس صاحب دل درویش کے قلب پر اس قدر اثر کر گیا کہ کانپ اٹھا۔ اور اسی وقت روح پرواز کر گئی۔ اس کے اعزا اور رشتہ داروں نے یہ واقعہ سنا تو دعویٰ کیا کہ شبلی نے اس غریب کو مار ڈالا۔ صرف اس کی شہرت ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ عدالت میں آپ پر قصاص کا

عہ طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔ عہ تذکرۃ الاولیا ۲۹۲۔ عہ رسالہ قشیریہ ۴۴۔

دعوی دائر کر دیا گیا۔ جواب دہی کے لیے لوگ آپ کو دربار خلافت میں لے گئے۔ چنانچہ
دمشق سے خلیفہ کے سامنے گئے تو اُس نے کہا "تمھارے پاس اپنی حرکات کے لیے کیا
جواب ہے؟" آپ نے فرمایا "ایک جان تھی شوق لقائے حق تعالیٰ نے جلال
کی آگ سے مشتعل، تمام علائق سے جُدا، انسانی صفات و آفات سے فنا، طاقت سے
بے طاقت، صبر سے بے صبر، درگاہ رب العزت کا شوق تھا اُس کے دل اور سینے پر
چھایا ہوا۔ میرا کلام سنتے ہی مشاہدہ جمال کی ایک تجلی اُس کی جان پر چمکی۔ اور اُسکی
سوختہ عشق روح قفس قالب سے ایک چڑیا کی طرح اُڑ گئی۔ شبلی کا اِس میں کیا گناہ؟" یہ
پُرجلال تقریر سنتے ہی خلیفہ نے سہم کے کہا "انھیں فوراً یہاں سے ہٹاؤ۔ کیونکہ
اِن پُرشور الفاظ سے ایک ایسی کیفیت و حالت میرے دل پر طاری ہے کہ ڈرتا
ہوں بیہوش نہ ہو جاؤں" عـــہ

ایک صاحب دل شخص نے پوچھا "یا حضرت میں آپ کو اکثر غمگین کیوں
پاتا ہوں؟ کیا وہ ہر گھڑی آپ کے پاس نہیں موجود ہے؟" جواب میں ارشاد
فرمایا "اگر میں اُس کے ساتھ ہوتا تو میں ہوتا۔ میں تو اُس کی ہستی میں محو و جذب
ہو گیا ہوں" عـــہ

ایک دن فرمانے لگے "بھلا اُس آفتابوں کے آفتاب کی نسبت کیا کہو گے
جس کے مقابل ظلمت ہی ظلمت ہے" ذات باری عزاسمہ میں اس طرح محو ہو جانے
کا ایک معجزنما نمونہ بھی اُس وقت نظر آ گیا جب آپ کو لوگوں نے پتھر مارے۔
پاؤں زخمی ہو گیا۔ اور اُس سے خون بہنے لگا تو خون کا جو چھاپہ زمین پر بنتا اُس سے

عـــہ تذکرۃ الاولیا-۲۹۳- عـــہ رسالہ قشیریہ-۱۵- عـــہ طبقات الکبری-۱۲۴-

کہتے ہیں کہ "اللہ" کا لفظ بن جاتا۔

آپ کے سچے ذوق و شوق محویت اور فنافی اللہ ہونے کے اکثر واقعات دیگر مقامات خصوصاً شاعری اور تعلیمون کے مباحث مین بیان کیے جائین گے سردست اس بحث کو چھوڑ کے ہم دیگر حالات کی طرف توجہ کرتے ہین۔

الہامات صفائے باطن اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ چیزون سے عبرت کا تاثر

حدیث مین آیا ہے کہ سچے خواب بھی نبوت کا ایک شعبہ ہین۔ چنانچہ صفائے باطن اور تزکیۂ نفس کا یہ کمال بھی حضرت مخبر صادق روحی فداہ کے ارشاد فیض بنیاد کے مطابق آپ کو حاصل تھا۔ اگرچہ شیخ ابوبکر شبلی کے اس قسم کے خواب جو ابتدائی درجۂ ولایت باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہین ہمین کم معلوم ہو سکے۔ کیونکہ آپ کی سیرت لکھنے والون نے زیادہ تر جستجو صرف اُن حالات کی کی ہے جو ابتدائی نہین بلکہ کمال ولایت کے زمانے سے علاقہ رکھتے ہین جیسا کہ آگے چل کے معلوم ہوگا تاہم ویسا ہی خواب کا ایک واقعہ معلوم ہو سکا ہے۔ جو تزکیۂ نفس کی تدریجی ترقیون کا پورا ثبوت دیتا ہے۔ وہ خواب خود آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ "مین نے دو شخصون کو دیکھا جنھون نے بہت سے امور پیش کرکے کہا "اے شبلی جو شخص اس قسم کے کام کرتا ہے اُس کا شمار غافلون مین ہے"[۵]

لیکن اس درجہ سے بہت جلد ترقی کرکے آپ اُس درجۂ ولایت کو پہونچ گئے جب کہ بیداری ہی مین نورِ عرفان مختلف حالات و کیفیات کو آپ پر منکشف کر دیا

---

[۴] تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۱ – [۵] تذکرۃ الاولیاء – ۵۰۷ –

کرتا تھا۔ اور فرشتۂ غیب کی صدائے باطن کانون مین گونج کے اکثر متنبہ کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے بحر معرفت مین غرق ہو کے فرمایا "خداوند تعالیٰ نے مجھ پر طلوع کیا۔ اور ارشاد کیا جو سو گیا غافل ہوا۔ اور جو غافل ہوا حجاب مین ہو گیا"۔ ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے وضو کر کے مسجد کا ارادہ کیا تھا۔ یکایک گوش عبرت نیوش مین آواز آئی "اب وضو؟ اور پھر یہ گستاخی کہ ہمارے گھر کو چلا ہے؟" سنتے ہی آپ پلٹے۔ آب آواز آئی "ہماری درگاہ سے پھرا جاتا ہے؟ بتا کہان جائے گا؟" اب ضبط کی تاب نہ تھی انھون نے ایک نعرہ مارا۔ آواز آئی "ہم پر طعنہ مارتا ہے!" گھبرا کے خاموش کھڑے ہو گئے تو ندا آئی "ہان! صبر و تحمل کا دعویٰ ہے؟" آخر آپ سے نہ رہا گیا بے تماشا کہہ اٹھے استغاث بک منک "فریاد مگر تجھی سے" [۱]

یہ خود آپ کا ضمیر روشن تھا جو فرشتہ بن کے رہبری کرتا۔ اپنی ثابت قدمی کا آپ ہی امتحان لیتا۔ اور ہر قسم کی لغزشون سے آپ کو بچاتا تھا۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہین کہ ایک دن میرے دل نے مجھ سے کہا "تو کنجوس ہے"۔ مین نے جواب دیا کہ "نہین مین کنجوس نہین"۔ دل نے پھر کہا "نہین تو کنجوس ہے"۔ اپنے ضمیر کے دامن سے اس دھبے کے مٹانے کے لیے مین نے اُسی وقت نیت کی کہ اب اس کے بعد کچھ خدا مجھے دے گا اُسے جو فقیر سب کے پہلے نظر آئے گا اُس کی نذر کر دون گا۔ نیت کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور پچاس دینار (اشرفیان) میری نذر کین۔ مین اُنھین لے کے گھر سے نکلا۔ سب کے پہلے ایک اندھا فقیر نظر آیا جو ایک نائی کے سامنے بیٹھا ہوا سر منڈوا رہا تھا۔ مین نے نوعمرادہ رقم لے جا کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۲۲۹۔ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۷۔

اور کہا یہ آپ کی نذر ہے۔ اُس نے دیکھ کے کہا "اچھا تو اس نائی کو دے دو" میں نے متحیر ہو کے کہا "حضرت یہ دینار (اشرفیاں) ہیں"۔ اتنا سننا تھا کہ اُس فقیر نے میری طرف سر اُٹھا کے عجب پُر جلال نظر سے دیکھا۔ اور کہا "ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کنجوس ہو؟" یہ سنتے ہی ظاہر ہے کہ جناب شبلی پر صدہا گھڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ "اب میں نے وہ دینار نائی کی طرف بڑھائے"۔ وہ بولا کہ "جس وقت یہ فقیر میرے سامنے آ کے بیٹھا ہے میں نے دل میں اللہ جل شانہ سے عہد کیا تھا کہ اس سے خط بنانے کی کچھ مزدوری نہ لوں گا۔ اس لیے میں کچھ نہیں لے سکتا"۔ تب مجبور ہو کے میں نے وہ دینار اُٹھا لیے۔ اُن سے اس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ لیجا کے اُنھیں دریا میں پھینک دیا۔ اور دل میں کہا "خدا کو جو منظور تھا کیا۔ اور اے دنیا تجھے جس نے دوست رکھا وہ ذلیل ہوا"۔[عہ] بعض اہل ظاہر کو اس پر اعتراض ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمت کو دریا میں پھینک کے کسی کے کام کا نہ رکھنا نہایت ہی بدنما اسراف بلکہ ناشکری ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر شبلی پر یہ اعتراض ہرگز نہیں وارد ہو سکتا۔ اب وہ اپنے آپ کو اس رقم کا مالک ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ نیت کے ساتھ ہی وہ اُن کے قبضے سے نکل گئی تھی۔ اور پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب نے انھیں اس امر پر آمادہ کر دیا۔

ایک دن چند لڑکوں کو دیکھا کہ ایک اخروٹ پر جھگڑ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا "لاؤ میں بانٹ دوں"۔ وہ راضی ہوئے۔ اور انھوں نے توڑا تو وہ اخروٹ اندر سے خالی اور بغیر مغز کا نکلا۔ ساتھ ہی عبرت کے کانوں میں غیب کی آواز آئی "بڑے بانٹنے والے ہو تو بانٹو"۔[عہ]

عہ روض الریاحین یافعی۔ ۹۰-۹۹ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۹۔

روشن ضمیری کے اِس سچے احساس نے اور غیب کی اِن ... انھوں نے خزینۂ
حق و باطل کی ایسی پرکھ پیدا کر دی تھی جسے کرامت اور خرقِ عادت کہنا چاہیے۔ فرماتے
ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عہد کیا تھا کہ سوائے حلال کے کچھ نہ کھاؤں گا۔ اتفاقاً
صحراؤں میں پھر رہا تھا اور یادِ الٰہی میں مشغول تھا کہ ... درخت نظر آیا
جس کے پھل پکے ہوئے تھے۔ دیکھ کر ... ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا کہ اس میں سے
چند انجیر توڑ کر کھاؤں ... سے آواز آئی کہ خبردار - اپنے عہد کو نہ توڑو
میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں ... میرا پھل نہ کھاؤ۔ یہ صدائے غیب سنتے
ہی میں نے ہاتھ روک لیا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ "جب میں بازار میں گذرتا ہوں تو اکثر
لوگوں کی پیشانیوں پر سعید یا شقی کا لفظ لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔" آپ اپنی روحانی پاکیزگی
اور صفائے باطن کو آپ خود بھی بخوبی محسوس کرنے لگے تھے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی نفس
اپنے کمالِ باطن اور اپنی روحانی ترقیوں پر ناز کرنے لگتا جس لغزش سے بچنے کے لیے
... فرماتے ہیں ایک مرتبہ ابلیس نے میرے پاس آکے کہا تیرے اوقات کی
صفائی تجھے مغرور نہ بنا دے۔ کیونکہ انھیں روشن ضمیروں کے نیچے آفتوں کی تاریکیاں چھپی[1]
رہتی ہیں۔ ع عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔ اور سچ کہا ہے کہ جن کا نفس
پاک ہوتا ہے نفسِ امّارہ اُن کا تابع فرمان ہو جایا کرتا ہے - اور وہی صراطِ مستقیم
میں رہبر بن جاتا ہے -

صفائے باطن اور پاکیزہ نفسی کے ان حالات وکیفیات نے آپ کی طبیعت میں
ایک عجیب قسم کی روحانی نازک مزاجی پیدا کر دی تھی جس کا یہ اثر تھا کہ کوئی ادنیٰ او

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ السبکی جلد ۴ - ۴۵، [2] تذکرۃ الاولیا - ۲۹۵ و ۲۹۷ -

معمولی بات ہو آپ اُس سے بیحد متاثر ہو جاتے۔ اور راہ چلتے چلتے صحبتوں مین بیٹھے اور بازار والون کی صدائین سنتے سنتے جوش مین آکے بیتاب ہو جاتے۔ اور جنون کی سی حالت طاری ہو جاتی۔ اور سچ پوچھیے تو یہی واقعات حضرت ابوبکر شبلی کی خداشناسی و ولایت کے خصائص ہین۔ آج کل ہمارے یہان تعلیم مین "آبجکٹ لسن" پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ یعنی علم کتاب نہین بلکہ علم حال پر۔ اسی لیے کہ ہر چیز کی حالت وکیفیت کا مشاہدہ و معاینہ کر کے جیسی سچی واقفیت طالب علم کو حاصل ہو سکتی ہے علم کتاب و سفینہ سے ممکن نہین۔ اِس طرف حضرت ابوبکر شبلی کا انہماک آج سے بہت پیشتر حد سے زیادہ گزرا ہوا تھا۔ آپ زندگی بھر مکتب توحید کے طالب علم رہے۔ ساری دنیا آپ کا کنڈر گارٹن (درس گاہ جس مین بغیر کتاب سے مدد لیے موجودات عالم کی صورتین دکھا کے طلبہ کو اُنکے حالات بتائے جاتے ہین) تھی۔ اور آپ کی نازک طبیعت عالم ظاہر کی ہر ہر کیفیت کو دیکھ کے اس قدر بیتاب ہو جاتی کہ جذبات روحانی کا جوش ہوتا۔ اور چیخ اُٹھتے۔ آپکی چیخ اور آپ کا نعرہ مشہور تھا حتّی کہ مرتعش اور جعفر خلدی اور خواص کے ایسے بزرگان صوفیہ اُس کے معترف اور آپ کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ آپ کے اُس نعرۂ مستانہ کی صدا مشائخ باطن کی صحبتوں مین آج تک گونج رہی ہو اور صاحبان ذوق اہل باطن کے کانوں سے سُن کے متاثر ہوتے ہین۔

خیر اب حضرت ابوبکر شبلی کی بیتابیان اور ہر عبرت بخش لفظ یا حالت یا کیفیت پر آپ کی ازخود رفتگیان ملاحظہ ہون۔ ایک دن ایک شخص نے آکے پوچھا "کیون حضرت ایک صابر شخص کے لیے سب سے زیادہ مشکل اور سخت کون سا صبر ہے؟" فرمایا الصّبر فی اللّٰہ (خدا کے معاملات مین صبر کرنا) سائل نے کہا "ایسا نہین ہے۔" فرمایا الصبر للّٰہ

ا۔ نفحات الانس ۲۱۲۔

(خدا کی راہ مین صبر کرنا) سائل بولا "جی یہ بھی نہین" اب حضرت شیخ شبلی کی نازک مزاجی متحمل نہ ہو سکی طیش مین آ کے فرمایا "اَیْش وَیْحَكَ" (او بد بخت بتا کیا ہے؟) اس نے کہا "اَلصَّبْرُ عَنِ اللّٰهِ" (خود خدا کے فراق مین صبر کرنا) سنتے ہی شبلی نے وجد مین آ کے بے اختیار ایک نعرہ مارا۔ اور یہ ایسی چیخ تھی کہ تمام حاضرین مین بیقراری کی گرمی پیدا ہو گئی۔

ایک دن راستے مین چلے جاتے تھے۔ ایک شربت کے آبخورے بیچنے والے نے صدا لگائی "لَمْ یَبْقَ اِلَّا وَاحِدٌ" (بس ایک رہ گیا ہے!) انھون نے سنتے ہی بیتاب ہو کے نعرہ مارا۔ اور بار بار زبان پر یہی کلمہ جاری تھا کہ "بس ایک رہ گیا ہے ابس ایک رہ گیا ہے" اور پھر آخر مین کہا "اور سوا ایک کے کوئی رہے گا بھی نہین"

ایک دن بغداد کے بازار مین چلے جاتے تھے۔ کہ ایک کبڑیے نے ہانک لگائی "دس خیار (کھیرے) ایک دانگ کو!" لحاظ رکھنا چاہیے کہ عربی مین خیار کھیرے کو بھی کہتے ہین اور "خیر" کی جمع بھی خیار ہے۔ جس کے معنے "نیکون" کے ہین۔ یہ صدا سنتے ہی آپ کی عبرت پذیر طبیعت مین جوشش پیدا ہوا۔ اور فرمایا "جب خیار (نیکون) کا یہ حال ہے تو اشرار (برون) کو کون پوچھتا ہے؟"

ایک دن چند دولتمندون کو عیش و عشرت مین مشغول دیکھ کے آپ نے بے تحاشا ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا "ان دلون کے حال پر افسوس ہے کہ جو خداوند تعالےٰ کے ذکر سے غافل و بے خبر ہین۔ یہ اسی کی سزا ہے کہ مردار دنیا کی نجاست سے فریفتہ بنا دیے گئے ہین۔"

اسی طرح ایک دن راستے مین ایک جنازہ جا رہا تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے

ـــــــ

ـ رسالۂ قشیریہ ۱۲۔ عوارف ۲۰۱۔ عـ تذکرۃ الاولیاء ۶۹۹۔ عـ عوارف ۱۲۰۔ رسالۂ قشیریہ ۲۴

ایک شخص روتا اور حسرت و اندوہ کے ساتھ کہتا جاتا تھا "آہ من فراق الولد" (ہائے بیٹے کی جدائی کا داغ!) اس کی یہ صدا سنتے ہی حضرت ابوبکر شبلی نے اپنا منہ اور سر پیٹ پیٹ کے چلانا شروع کیا "آہ من فراق الاحد" (ہائے اس وحدہ لاشریک کی جدائی کا داغ!)

ایک مرتبہ کسی کی زبان سے یہ شعر سن پایا۔

أسائل عن سلمى فهل من مخبر یکون له علم لها أین تنزل

(سلمیٰ کو پوچھتے ہوئے کہا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کے ٹھہری گی)

آپ نے سنتے ہی ایک نعرۂ مستانہ مارا اور بولے خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی خبر دینے والا نہیں۔ اس شعر کو ہم آپ کی محویت اور ذوق و شوق کے بیان میں بھی ذکر کر چکے ہیں صرف فرق اس قدر ہے کہ وہاں یہ شعر مجنون عامری کا اور اس میں معشوقہ کا نام لیلیٰ بتایا گیا ہے۔ اور یہاں شاعر کی معشوقہ سلمیٰ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں یہ ہے کہ کوئی صاحب حال ملنے کو آتا تو حضرت ابوبکر شبلی خود ہی یہ شعر پڑھ کے کہا کرتے کہ کوئی بتانے والا نہیں۔ اور اس موقع پر یوں ہے کہ کسی اور کی زبان سے یہ شعر سن کے آپ متاثر ہوئے اور نعرہ مارا۔ وہاں یہ واقعہ امام یافعی کی کتاب مرآۃ الجنان سے لیا گیا تھا۔ اور یہاں شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف سے۔ ممکن ہے کہ اختلاف روایت نے ایک ہی واقعہ کو دو طرح کے لباس پہنا دیے ہوں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ دو جدا جدا واقعے ہوں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی طرف سے فاختہ کو "کوکو" کرتے سنا۔ لپک کے اس درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور اس کی کوکو کا جواب "ہوہو" دینے لگے۔

عـــہ تذکرۃ الاولیا - ۲۶۹ - عــہ عوارف - ۱۶۳ -

دیر تک یہ حالت قائم رہی کہ اُدھر وہ کوکو کا دم بھر رہی ہے اور اِدھر یہ ہُو ہُو کا دم بھر رہے ہیں۔ گویا وہ پوچھتی ہے کہ "کہاں ہے؟ کہاں ہے؟" اور یہ بتاتے ہیں کہ "وہ یہاں وہ ہے!"

ایک دن مغنی کو گاتے سُن کے عین حالتِ سماع میں بیخود ہو کر زور زور سے ایک نعرہ مارا۔ لوگوں نے کیفیت پوچھی تو جواب دیا "اسے کیا بیان کریں" مشہور شاعر عرب کثیرؔ کا یہ جذب و ذوقِ عشق میں ڈوبا ہوا شعر پڑھا۔

ولو یسمعون کما سمعت کلامہا　　خروا لعزۃ رکعا و سجودا

جس طرح میں نے اُس کی باتیں سُنی ہیں اگر یہ سب لوگ سُن پاتے تو عزہ (میری معشوقہ) کے آگے رکوع و سجود میں گر پڑتے۔

ایک دن کسی صاحبِ ذکر شخص کو "یا رب! یا رب!" کی رٹ لگاتے ہوئے دیکھا تو جوش میں آ کے چلا اُٹھے کہ "کب تک چلّاتے جاؤ گے۔ اس کی بھی تو سُن جو کہہ رہا ہے "عبدی! عبدی!" وہ بھی خدا رس اور صاحبِ ذوق شخص تھا ان کا یہ اعتراض سُنتے بولا "اسکی یہ صدا سُن ہی کے تو میں یا رب یا رب کہہ رہا ہوں" یہ جواب شافی سُن کے خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا "تو آپ تو معذور ہیں"

ایک مرتبہ مسجد میں اذان دی۔ جب شہادتین پر پہونچے تو اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ کے کچھ ایسا جوش ہوا کہ فرمایا "اگر تو نے حکم نہ دیا ہوتا تو تیرے نام کے ساتھ غیر کا نام نہ لیتا۔ یعنی اشہد ان محمداً رسول اللہ نہ کہتا۔" یہ ہے سچا جوش توحید اور یہی شان حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے حج کے وقت نظر آئی تھی جب آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۱۹۷ عہ عوارف۔ ۱۰۲۔ سہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۲ عہ ایضاً رسالۂ قشیریہ۔ ۱۵۲۔

فرمایا تھا کہ جانتا ہون تو ایک پتھر ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلعم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو مین ہرگز بوسہ نہ دیتا۔"

ایک مرتبہ آپ نے کسی جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور بجائے چار کے پانچ تکبیرین کہین۔ بعد سلام لوگون نے اس کا سبب پوچھا اور کہا "یہ تو آپ نے نیا مذہب ایجاد کیا ہے؟" فرمایا چار تکبیرین تو مُردے پر تھین۔ اور پانچوین جہان اور تمام اہل جہان پر۔"

احمد بن مقاتل عکی کہتے ہین کہ مین ماہ مبارک رمضان مین ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے برابر صف مین کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آیۂ کریمۂ "وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ" پڑھی اس کا ترجمہ یہ کہ اگر ہم چاہین تو (اے محمد) ہم نے تجھ پر جو وحی بھیجی ہے اُسے واپس لے لین۔ یہ آیت سنتے ہی شبلی نے اس زور سے چیخ ماری کہ مین سمجھا اس چیخ کے ساتھ ہی اُن کی روح پرواز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ کانپتے تھے اور بار بار کہتے تھے "دوستون سے یون خطاب کیا جاتا ہے؟ تو پھر بھلا ہم ایسے لوگون سے کیا خطاب ہوگا؟"

ایک دن ایک گیلی لکڑی جلتے دیکھی جس کے دوسرے سرے پر حسب معمول کچھ رطوبت ظاہر تھی۔ یہ دیکھتے ہی وفور جذب وجوش سے ان پر مستی کا عالم طاری ہو گیا اور اپنے مریدون سے مخاطب ہو کے فرمایا "مدعیو! اگر یہ دعوی ہے کہ تمھارے دل آتش عشق سے لبریز ہین۔ اور اپنے اس دعوے مین سچے ہو تو پھر تمھاری آنکھون سے آنسو کیون نہین جاری ہوتے؟"

عبداللہ بن علی نام اُس دَور کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک رات کو

عہ تذکرۃ الاولیاء ۲۹۸۔ عہ رسالۂ قشیریہ ۲۰۳ و طبقات الکبری للشعرانی ۱۲۳۔ عہ تذکرۃ الاولیاء ۲۹۶۔

مین اور شبلی ایک صحبت سماع مین شریک تھے۔ قوال نے کچھ گایا۔ اور شبلی نے اُس پراثر نغمے سے متاثر ہو کے ایک نعرہ مارا اور بیٹھے بیٹھے وجد و بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ آپ اور سب لوگ تو کھڑے ہوے تھے مگر آپ بیٹھے تھے۔ اہل مجلس مین سے کسی نے کہا "ابو بکر یہ کیا کہ تمام اہل محفل تو کھڑے ہین۔ مگر آپ بیٹھے ہوے ہین؟" یہ بات سُن کے اُٹھ کھڑے ہوے۔ مگر حالت مستی بدستور تھی آپ آپ سے ابو نواس کا یہ شعر پڑھ

لی سکرتان ولِلنّدمانِ واحدۃٌ ۔ شیٌٔ خصصتُ بہ من بینھم وحدی

مجھے دو نشے ہین اور ہم صحبتون کو ایک۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ ان سب مین سے صرف میرے ہی لیے مخصوص ہے[۱]۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے بازار مین جا کے ڈیڑھ دانگ کو (جو اُس عہد کا سب سے کم قیمت سکہ تھا) ایک پُرانی گدڑی مول لی۔ (اور آدھے دانگ کی ایک ٹوپی لی۔ پھر ان دونون چیزون کو پہنا اور بازار مین کھڑے ہو کے آواز لگائی۔ "ایک صوفی کو دو دانگ پر کون مول لے گا؟"[۲]

آپ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن خراسانی سے عجیب حسرت و یاس کے لہجے مین پوچھا "بھلا شبلی کے سوا کبھی کسی اور کو بھی اللہ کہتے دیکھا ہے؟" وہ بھی بڑے پہونچے ہوے بزرگ تھے۔ جواب دیا "مین نے تو ایک دن بھی شبلی کو اللہ کہتے نہین سُنا" یہ سُننا تھا کہ ان کی حالت دگرگون ہو گئی۔ اور غش کھا کے زمین پر گر پڑے[۳]۔

ان حالتون سے جن کی بدولت اُنھین دنیا اور دُنیا داری کی چیزون سے روز بروز وحشت ہوتی جاتی تھی بعض اوقات متاثر ہو جاتے۔ اور خیال آ جاتا کہ

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۲۱۵ و ۲۰۶۔ [۲] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۳۔ [۳] نفحات الانس۔ ۱۶۶۔

میں دنیا سے کس قدر دور ہوتا جاتا ہوں۔ اور کبھی کبھی نعرہ لگا اٹھتے "ہائے افلاس ہائے افلاس"۔ آخر ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ حضرت افلاس کیسا؟ فرمایا لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے۔ لوگوں کے ساتھ مانوس ہونے سے۔ لوگوں سے ملنے جلنے بولنے چالنے اور ایک دوسرے کے کام آنے سے۔ چنانچہ ان کے متعلقین اور دوستوں [illegible] زندگیوں نے آپ میں یہ امتیاز بھی نہیں باقی رکھا تھا کہ کن صحبتوں میں جانا اور کن لوگوں سے ملنا چاہیے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ گھر سے نکلے تو غائب ہو گئے۔ ان کے تمام عقیدت کیشوں اور مریدوں نے سب جگہ ڈھونڈھا اور کہیں نہ پایا۔ آخر بہت تلاش اور جستجو کے بعد آپ ملے تو کہاں؟ ہیجڑوں کے محلے میں۔ حیرت زدہ ہو کے لوگوں نے پوچھا "حضرت یہاں کہاں؟" فرمایا "جو ان لوگوں کی حالت ہے وہی میری حالت ہے۔ کیونکہ یہ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ علی ہذا القیاس میں بھی نہ مرد ہوں نہ [illegible] ہوش فنا ثابت ہے پھر ان لوگوں کی صحبت سے زیادہ مناسب جگہ میرے لیے کون ہو سکتی ہے؟"

یہ بات جوش وحدت کے ہجوم ہی سے نہیں بعض اوقات لوگوں کے غلط وعدوں پر بھی ہیجان میں آجاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی صحبت میں کسی نے آپ کی نقل کی اسی طرح آپ متاثر ہو کے چیخ اٹھا کرتے تھے اس نے بھی ایک ایسا نعرہ مستانہ مارا کہ محفل گونج اٹھی۔ یہ صحبت دریائے دجلہ کے کنارے ہو رہی تھی۔ آپ نے فوراً اٹھا کے اسے بلا تامل دجلہ میں پھینک دیا۔ اور لوگوں کو اپنے اس فعل پر متحیر پایا تو فرمایا اگر سچا ہے تو خدا اسے بچائے گا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غرق ہونے سے بچایا تھا۔

عہ تذکرۃ الاولیا - ۲۹۵ - ۲۹۶ -

اور جھوٹا ہے تو خدا فرعون کی طرح اسے بھی غرق کر دے گا۔"

آخر الامر آپ کا یہ مبارک جنون توحید حد سے گزرنے لگا۔ چنانچہ ایک دہکتا ہوا انگارا لے کے جوش و خروش سے چلے۔ لوگوں نے پوچھا "کہاں؟" کہا "جاتا ہوں کعبہ کو جلا کے خاک کر دوں گا۔ تاکہ لوگ گھر کو چھوڑ کے گھر والے کی طرف توجہ کریں۔" دوسرے دن دیکھا تو ایک جلتی ہوئی لکڑی لیے ہوئے جا رہے ہیں جس کے دونوں سرے مشتعل تھے۔ پوچھا "حضرت کہاں کا ارادہ ہے؟" ارشاد فرمایا "جاتا ہوں بہشت اور دوزخ دونوں میں آگ لگا دوں گا۔ تاکہ بغیر ماسوی اللہ کے لالچ کے لوگ اس ایزد العزت کی بندگی و پرستش کریں۔"

ان حالتوں کے طاری رہنے اور کیفیات عالم سے عبرت و تنبیہ حاصل کرتے رہنے کی وجہ سے ایک یہ بات بھی ہو گئی تھی کہ جو لوگ لکھنے پڑھنے میں زیادہ منہمک رہتے ان پر بھی کبھی چوٹ کر جاتے۔ چنانچہ حسین بن احمد صفار کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ہاتھ میں دوات تھی۔ شبلی نے دیکھ کے کہا غَیِّبْ سَوَادَکَ یَکْفِنِیْ سَوَادُ قَلْبِیْ یعنی اپنی اس سیاہی کو سامنے سے ہٹاؤ مجھے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے۔

اسی طرح اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرمایا "اِذَا طَالَبُنِیْ النَّاسُ بِعِلْمِ الْوَرَقِ جِئْتُهُمْ بِعِلْمِ الْخِرَقِ" جب لوگ مجھ سے علم سفینہ طلب کرتے ہیں تو میں ان کے سامنے گدڑیوں کا علم پیش کرتا ہوں۔

ان باتوں کو علمائے ظاہر نے بری نگاہ سے دیکھا۔ اور سخت معترض ہوئے۔

ط طبقات الکبری۔ ص ۱۲۳۔ ص تذکرۃ الاولیا۔ ۲۹۱۔ ص تلبیس ابلیس۔ تلبیس ابلیس علی اللہ بفیہ فی انکارہم علیٰ من تشاغل بالعلم لعہ تلبیس ابلیس۔ تلبیس ابلیس علی الصوفیہ فی انکارہم علیٰ من تشاغل بالعلم۔

لیکن سچ یہ ہے کہ شبلی معذور ہین۔ اُنھون نے ابتدائے عمر مین جو کچھ پڑھا تھا اُس سے اب بہت کم تعلق باقی تھا۔ اب جس مدرسہ باطن مین تعلیم ہوئی اُس کا دار ومدار کتابون اور علم سفینہ پر نہ تھا۔ یہان اُنھون نے ریاضت کے ذریعہ سے دل کو صاف کیا اور یکسوئی ویکدلی پیدا کی۔ استغراق و وجد کی کیفیتین اپنے اوپر طاری کین اور ایسی استعداد وصلاحیت پیدا کر لی کہ سارا عالم اُن کی درسی کتاب تھا۔ جسے وہ بغیر کسی علم کی مدد کے پڑھتے۔ اُس کے انقلابات وحالات سے عبرت کا سبق لیتے۔ اور فنائیت کے درجے پر پہونچ کے آپ ہی آپ جھومنے لگتے۔ اب وہ خُم خانۂ وحدت کے سرمستون مین تھے۔ اور اُن کی زبان سے جو نکل جاتا گرفت اور اعتراض کے قابل نہین ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ کامل خرقانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "ابوبکر شبلی وہ ہین کہ جو مست جیے اور مست ہی مرے۔ اس لیے کہ مین نے عالم مکاشفہ مین اُنھین دیکھا کہ ہوا مین رقص کر رہے ہین[ع]"

ذوقِ سخن۔ اور آپکی شاعری

فی الحال مشرقی شاعری کا زبردست عنصر تصوف ہے۔ عام قاعدہ سا ہو گیا ہے کہ جو شاعر ہوتا ہے وہ صوفی بھی ہوتا ہے حضرات شیعہ تصوف سے بہت علحدہ ہین۔ اور متصوفین کے خیالات وعقائد کی زور وشور کے ساتھ تردید کرتے ہین مگر شاعری کی دنیا مین آ کے ہم شیعون کو بھی صوفی پاتے ہین۔ لیکن اُس ابتدائی دور مین جب کہ حضرت جنید بغدادی تصوف کی اشاعت اور علوم باطن کی تعلیم

ع نفحات الانس - ۲۴۹ -

دستہ رہے تھے شاعری اور تصوف مین اتنا لزوم نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ بزرگان صوفیہ
مین سے ہمین سب سے پہلے شخص حضرت ابوبکر شبلی ہی نظر آتے ہین جنھون نے شاعری
سے اپنی تعلیمات مین کام لیا۔ اور جولوگ خداپرستی و خداشناسی کے جوش و جذبات کو
اکثر اوقات اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہمین یہ بھی نظر
آتا ہے کہ خدا نے اُنھین طبیعت بھی ایسی عطا فرمائی تھی جو شاعری کے لیے نہایت ہی
موزون و مناسب تھی۔ اُن کے واقعات بتاتے ہین کہ اگرچہ جذبات وحدت سے
مست اور دریائے عرفان مین غرق تھے مگر شعر و سخن مین پورا ذوق رکھتے تھے اور
بات بات پر اُن کی زبان سے شعر نکلتے تھے جو کبھی خود اُن کے ہوتے اور کبھی مشہور
شعرائے عرب کے۔

حضرت جنید کو بالذات شاعری سے کچھ زیادہ اُنس نہ تھا۔ مگر حضرت ابوبکر شبلی
کا ذوق مدرسۂ الٰہی کی طالب علمی ہی کے زمانے مین کبھی کبھی خداشناس شیخ کو بھی
شعر سے کام لینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

ہم حضرت جنید بغدادی کے حالات مین بھی بیان کر چکے ہین اور اس رسالے
مین بھی "پیر اور مرید" کی بحث مین اس کا ذکر آچکا ہے کہ ایک دن مستانہ وضع و حالت
سے آکے ابوبکر شبلی نے حضرت جنیدؒ کے سامنے تین شعر پڑھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا کہ
"عودونی الوصال والوصل عذب" اُن کو سُن کے باوجودیکہ حضرت جنید کی زبان
سے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی شعر سُنا جاتا تھا مگر اُنھون نے بھی شاگرد اور مرید کے
جوش سے مجبور ہو کے ایک شعر پڑھ دیاؔ۔

ؔ ابن خلکان۔ ۲۲۶۔

اس موقع کے علاوہ دیگر موقعوں پر آپ دقتاً فوقتاً جو اشعار زبان فیض ترجمان سے
ظاہر فرماتے رنگ اور جوش میں ڈوبے ہونے کے علاوہ آپ کا اعلیٰ کمال شاعری و سخن فہمی بھی
ثابت کر رہے ہیں صرف اُردو داں فارسی جاننے والوں کے لیے عربی اشعار بہت غیر دلچسپ
ہیں۔ اور شاید بعض حضرات اسے نہ پسند کرتے ہوں گے کہ اس رسالے میں آپ کے
عربی اشعار بھی نقل کر دیے جائیں۔ مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ بغیر اُن کے یہ کتاب جو
آپ کے سوانح عمری کے بیان میں ہے ناتمام اور ناقص رہے گی۔ اور جبکہ ہم شعر
کے نیچے اُس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں تو پھر کوئی شکایت کا محل نہیں۔ ان اشعار
سے اگر اُردو داں حضرات آپ کے کمال شاعری کو نہ سمجھ سکیں تو آپ کے خیالات
وجذبات کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور کر سکیں گے۔

عامر خشمی کہتے ہیں کہ شیخ شبلی نے مجھے اپنے یہ دو شعر سنائے۔

مَضَتِ الشَّبِيبَةُ وَالْحَبِيبَةُ فَانْبَرٰى　　دَمعَانِ فِي الْأَجْفَانِ يَزْدَحِمَانِ

جوانی بھی رخصت ہوئی اور معشوقہ بھی تو پلکوں میں دو آنسو ایک دوسرے کے
مقابل ہوے اور نکلنے کے لیے ہجوم کرنے لگے۔

مَا أَنْصَفَتْنِي الْحَادِثَاتُ رَمَيْنَنِي　　بِمُوَدِّعَيْنِ وَلَيْسَ لِي قَلْبَانِ

حوادث زمانہ نے میرے حق میں انصاف نہیں کیا کہ دو کے رخصت کرنے پر
مجبور کیا حالانکہ میرے پاس دل ایک ہی ہے دو نہیں[۱]

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر شبلی کو عالم وجد میں دیکھا کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے
ہیں۔ اور مستانہ وار یہ اشعار پڑھ رہے ہیں

---

[۱] ابن خاقان ۔ ۲۲۶ ۔

شَقَقْتُ جَیْبِیْ عَلَیْکَ شَقّـا وَمَا لِجَیْبِیْ عَلَیْکَ حَقّـا

میں نے اپنے گریبان کو پھاڑ ڈالا۔ حالانکہ گریبان کا تجھ پر کوئی حق نہ تھا۔ یعنی اُسے کچھ تعلق نہ تھا۔

اَرَدْتُ قَلْبِیْ فَصَادَفْتُہٗ یَدَایَ بِالْجَیْبِ اِذْ تَوَفّٰی

میں نے تو دل ہی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا مگر میرا ہاتھ بیہودہ کا دہ پھٹ گیا۔

لَوْکَانَ قَلْبِیْ مَکَانَ جَیْبِیْ لَکَانَ لِلشَّقِّ مُسْتَحِقّـا

اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل پھٹا ہوتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔[۱]

یہ دو شعر حضرت ابو بکر شبلی کے ہیں۔ کیا نازک خیالی اور دقیقہ سنجی ہے۔

اِنَّ صَوْتَ الْمُحِبِّ مِنْ اَلَمِ الشَّوْقِ وَخَوْفَ الْفِرَاقِ یُوْرِثُ عَنَاءَا

عاشق کا عشق کی تکلیف اور فراق کے دھڑکے میں چلانا بے وفائی ظاہر کرتا ہے۔

صَابِرِ الصَّبْرَ فَاسْتَغَاثَ الصَّبْرُ وَصَاحَ الْمُحِبُّ بِالصَّبْرِ صَبْرًا

صبر پر صبر کر۔ (تو اس صبر سے کیا ہوا کہ) خود صبر پناہ مانگنے لگا۔ اور عاشق نے صبر سے ڈانٹ کے کہا کہ صبر کر۔[۲]

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صحبت میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ذکر و رویت باری کے نازک مسائل باطن کو کس خوبی و وضاحت سے بتایا ہے۔ اور کتنی اچھی تعلیم ہے۔

ذَکَرْتُکَ لَا اَنِّیْ نَسِیْتُکَ لَمْحَۃً وَاَیْسَرُ مَا فِی الذِّکْرِ ذِکْرُ لِسَانِیْ

[۱] روض الریاحین۔ ۲۲۸۔ [۲] عوارف المعارف۔ ۳۰۱ و ۳۰۲۔

مین نے تجھے یاد کیا اس طرح نہین کہ ایک لحظہ کے لیے بھی بھولا ہون اور یاد کرنے مین سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی زبان سے یاد کرون۔

وَکُنْتُ بِلَا وَجْدٍ اَمُوتُ مِنَ الْھَوٰی　　وَھَامَ عَلَی الْقَلْبِ بِالْخَفَقَانِ

اگر عالم وجد نہ طاری ہوتا تو مین عشق مین مرجاتا۔ مگر دل نے مجھ مین جوش عشق کا خفقان پیدا کر دیا۔

فَلَمَّا اَرَانِی الْوَجْدُ اَنَّکَ حَاضِرِی　　شَھِدْتُکَ مَوْجُوْدًا بِکُلِّ مَکَانٍ

پھر جب وجد نے مجھے دکھایا کہ تو میرے سامنے موجود ہے اُس وقت تو مجھے ہر جگہ موجود نظر آتا۔

فَخَاطَبْتُ مَوْجُوْدًا بِغَیْرِ تَکَلُّمٍ　　وَلَاحَظْتُ مَعْلُوْمًا بِغَیْرِ عِیَانٍ

اور مین نے اُس موجود (مطلق) سے خطاب کیا بغیر اس کے کہ گفتگو ہو۔ اور اُس معلوم (مطلق) کو دیکھا بغیر اس کے کہ وہ سامنے ہو۔[۱]

ابو بکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد مین بیان کیا ہی کہ ایک دن ابو الحسن تیمی حضرت ابو بکر شبلی کے گھر مین گئے تو دیکھا کہ جوش مین آ کے وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہین

عَلٰی بُعْدِكَ لَا یَصْبِرُ　　مَنْ عَادَتُهُ الْقُرْبُ

تیرے فراق مین وہ شخص صبر نہین کر سکتا جسے پاس رہنے (وصل) کی عادت پڑی ہوئی ہے۔

وَلَا یَقْوٰی عَلٰی ھَجْرِكَ　　مَنْ تَیَّمَهُ الْحُبُّ

اور ہجر کے برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہین رکھتا جسے محبت نے ذلیل و خوار کر دیا ہو

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۱۳۲۔

فَاِنْ لَمْ تَرَکَ الْعَیْنُ فَقَدْ یُبْصِرُکَ الْقَلْبُ

تو اگر تجھے آنکھ نہین دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے۔

یہ دونون شعر بھی آپ ہی کی جانب منسوب ہین۔

تَسَرْمَدَ وَقْتِی فِیْکَ فَھُوَ مُسَرْمَدُ وَاَفْنَیْتَنِی عَنِّی فَعُدْتُ مُجَرَّدَا

میرا وقت تیری ذات مین پہونچ کے ابدی ہوگیا۔ لہذا وہ سرمدی ہے۔ اور

تونے مجھے خود اپنے سے فنا کردیا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی مجرد پھر ہوگیا۔

تَغَرَّبَ اَمْرِیْ فَانْفَرَدْتُ بِغُرْبَتِیْ فَصِرْتُ غَرِیْبًا فِی الْبَرِیَّةِ اَوْحَدَا

میرا معاملہ نئی قسم کا ہوگیا تو مین اپنی غربت (ندرت) کے لحاظ سے یکتا ہوگیا۔

اور صحرا مین غریب و خائف ہوگیا۔[۱]

اکثر آپ کہا کرتے "خداوندا! کاش یہ معلوم ہوتا کہ تیرے نزدیک میرا کیا نام

ہے۔ میرے ساتھ تو کیا کرنے والا ہے؟ اور میرے عمل کا خاتمہ کس چیز پر کرے گا؟"

پھر یہ اشعار پڑھتے۔

لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ ذِکْرِیْ عِنْدَ مَنْ یَعْلَمُ سِرِّیْ

مجھے کاش معلوم ہوتا کہ وہ جو میرے بھیدون کو جانتا ہے اُس کے ہان میرا

کس طرح ذکر آتا ہے؟

اَجَمِیْلٌ اَمْ قَبِیْحٌ اَمْ بِخَیْرٍ اَمْ بِشَرٍّ

اچھا یا بُرا۔ بھلائی سے یا بُرائی سے۔

لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ حَالِیْ بِیَقِیْنِیْ اَمْ بِکُفْرٍ

---

[۱] ابن خلکان۔ ۲۲۵۔ [۲] عوارف۔ ۱۰۷۔

کاش معلوم ہوتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ موت کے دن اور قیامت کے دن؟

لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ مَوْتِیْ   بِیَقِیْنٍ اَمْ بِشَکٍّ

کاش معلوم ہوتا کہ میری موت کیسی ہوگی یقین (ایمان) پر یا انکار پر؟

اَتُرٰی یَقْبَلُ قَوْلِیْ   اَمْ تَرٰی یَشْرَحُ صَدْرِیْ

کیا تمھاری رائے ہے کہ میرے کہنے کو وہ قبول کرے گا؟ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ میرے سینے کو وہ کھول دے گا؟

لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ اَمْضِیْ   بِنَعِیْمٍ اَوْ بِجَمْرٍ

کاش میں جانتا ہوتا کہ کہاں جاؤں گا۔ جنت میں یا دوزخ میں؟

فَدَعُوْا مَدْحِیْ وَ وَصْفِیْ   فَاَنَا اَعْرِفُ قَدْرِیْ

تو تم میری تعریف اور توصیف چھوڑ دو کیونکہ اپنی قدر میں ہی خوب جانتا ہوں۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہ بن ابی ذبان خود مجھ سے کہتے تھے کہ ایک دن میرے سامنے کسی شخص نے شیخ ابوبکر شبلی سے پوچھا کہ اس شخص کی نسبت آپ کیا کہیں گے کہ کسی کلام کا مطلب تو نہیں سمجھا مگر سن کے اس شخص کو حال آگیا۔ اور یہ سمجھے اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے جواب میں شبلی نے یہ اشعار پڑھے جو مشہور عاشق عرب مجنون عامری کے ہیں۔

رُبَّ وَرْقَاءَ هَتُوْفٍ بِالضُّحٰی   ذَاتِ شَجْوٍ صَدَحَتْ فِیْ فَنَنٍ

ایک کبوتری جو کچھ دن چڑھے بول رہی ہے اسکی آواز میں درد ہے اور ٹہنیوں میں سے آواز دیتی ہے۔

ےہ روض الریاحین ۲۲۰

ذَكَرَتْ أَلْفًا وَدَهْرًا سَالِفًا   فَبَكَتْ حُزْنًا فَهَاجَتْ حُزْنِي

اُس نے کسی محبت اور کسی اگلے زمانے کو یاد کیا تو غم سے روئی اور میرے غم کو حرکت دے دی۔

فَبُكَائِي رُبَّمَا أَرَّقَهَا   وَبُكَاهَا رُبَّمَا أَرَّقَنِي

تو میرے رونے نے کبھی اُس کا دل رقیق کر دیا۔ اور اُس کے رونے نے کبھی میرا دل رقیق کر دیا۔

وَلَقَدْ تَشْكُو فَمَا أَفْهَمُهَا   وَلَقَدْ أَشْكُو فَمَا تَفْهَمُنِي

وہ شکایت کرتی ہے اور میں اُس کی زبان نہیں سمجھتا اور میں شکایت کرتا ہوں اور وہ میری زبان نہیں سمجھتی۔

غَيْرَ أَنِّي بِالْجَوَى أَعْرِفُهَا   وَهِيَ أَيْضًا بِالْجَوَى تَعْرِفُنِي

مگر اس کے سوزِ عشق سے میں اُسے پہچانتا ہوں اور اُس سوزِ عشق سے وہ بھی مجھے پہچانتی ہے۔

یہ دونوں شعر بھی حضرت ابوبکر شبلی کی زبان سے سُنے گئے۔ اور بارہا انھیں کہتے

يَا أَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيمُ   حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشَا مُقِيمُ

اے سردار کریم۔ تیری محبت میرے سینے کے اندر ٹھہری ہوئی ہے۔

يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جُفُونِي   أَنْتَ بِمَا مَرَّ بِي عَلِيمُ

اے میری پلکوں سے نیند غائب کرنے والے مجھ پر جو کچھ گذری اُسے تو جانتا ہے۔

طبقات شافعیہ کبریٰ سبکی جلد دوم ۱۴۶۔ حسن رسالہ قشیریہ ۱۵۰۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حق کو مجاہدات کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا وہ مقصد سے دور رہا۔ اور جس نے اُسے اُسی کے ذریعے سے طلب کیا اُسے وہ مل گیا۔ اور یہ فرما کے یہ دو شعر پڑھ دیتے۔

أَيُّهَا الْمُنْكِحُ الثُّرَيَّا سُهَيْلًا　　عَمْرَكَ اللّٰهُ كَيْفَ يَجْتَمِعَانِ

اے ثریا (ایک مشہور خاتون ثریا بنت علی بن عبد اللہ بن الحارث) کا نکاح سہل (سہل بن عبد الرحمٰن بن عوف زہری) کے ساتھ کرانے والے خدا تیری بڑی عمر کرے کیونکر یہ دونوں جمع ہوں گے۔

هِيَ شَامِيَّةٌ إِذَا مَا اسْتَهَلَّتْ　　وَسُهَيْلٌ إِذَا مَا اسْتَهَلَّ يَمَانِي

یہ (ثریا) جب طلوع کرے تو شامیہ ہوتی ہے۔ اور سہیل جب طالع ہوتا ہے یمانی ہوتا ہے[۱]۔

یہ مشہور شاعر عمرو بن ربیعہ مخزومی کے اشعار ہیں وہ ثریا اور سہل (مذکورین) کا عقد ہونے کی تعریض کرتا ہے۔ اور اُن دونوں کو آسمان کے ثریا و سہیل سے تعبیر کر کے کہتا ہے کہ قاضی صاحب آپ نے یہ کیا معجزہ دکھا دیا کہ ثریا اور سہیل کا قران پیدا کر دیا حالانکہ ثریا (ستارہ) شام کی طرف طلوع کرتا ہے اور سہیل یمن میں۔

ایک شخص نے حضرت شبلی کے حلقۂ ذوق میں شریک ہوئے اور سامنے مؤدب کھڑے ہو کے پوچھا "حضرت آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ صحت وجود کے آثار صاحبان وجد پر ظاہر ہوں؟" فرمایا "ہاں۔ ایک نور نمایاں ہوتا ہے جس کی حالت آتش

---

[۱] طبقات الکبریٰ للشعرانی ۱۲۴

شوق سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اور انسانی شکلوں (جسموں) پر اس سے آثار
چھلکے گئے ہیں۔ جیسے کہ ابن المعتز نے کہا ہے۔

وَاَمْطَرَ الْكَأْسُ مَاءً مِنْ اَبَارِقِهَا ... فَاَنْبَتَ الدُّرَّ فِي اَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ

جام میں صراحیوں سے ایک مینہ برسا جس نے سونے کی زمین (سطح جام)
میں موتی اگا دیے۔

وَسَبَّحَ الْقَوْمُ لَمَّا اَنْ رَاَوْا عَجَبًا ... نُوْرًا مِنَ الْمَاءِ فِي نَارٍ مِنَ الْعِنَبِ

اور لوگوں نے جب پانی کا ایک نور انگور کی آگ میں چمکتے دیکھا تو متعجب
ہو کے سبحان اللہ کہہ اٹھے۔

سُلَافَةٌ وَرِثَتْهَا عَادٌ عَنْ اِرَمٍ ... كَانَتْ ذَخِيْرَةَ كِسْرٰى عَنْ اَبٍ فَاَبِ

آب انگور جس کے قوم عاد والے باغ ارم سے وارث ہوئے ہیں اور جو کسریٰ
کے وہاں آبا و اجداد سے امانت چلا آتا تھا۔

ایک دن نماز عصر پڑھنا بھول گئے۔ اور وقت آخر ہو گیا۔ جیسے ہی خیال
آیا اُٹھ کے نماز پڑھی اور ہنس کے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

نَسِيْتُ الْيَوْمَ مِنْ عِشْقِيْ صَلَاتِيْ ... فَلَا اَدْرِيْ عَشَائِيْ مِنْ غَدَائِيْ

اپنے عشق کی دھن میں آج میں نماز ہی بھول گیا۔ اب تو مجھے صبح و شام کا فرق
بھی نہیں معلوم ہوتا۔

ایک مرتبہ کسی نے حاضر خدمت ہو کے عرض کیا کہ میرے حق میں دعا فرمائیے
جواب میں یہ شعر پڑھ دیا۔

عہ رسالہ قشیریہ ۔ ص ۴۔ عہ طبقات الکبریٰ ۱۲۲

مضى زمن والناس يستشفعون بي ۔۔۔ فهل لي الى ليلى الغداة دليل

وہ زمانہ گذر گیا جب لوگ مجھ سے سفارشیں اٹھوایا کرتے تھے۔ اب تو کوئی ایسا شخص ہے جو کل لیلیٰ کے پاس جا کے میری سفارش کر دے؟

ایک مرتبہ عالم وجد و حال میں ابو نواس کا یہ شعر پڑھا تھا جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور اب یہ اس کا اعادہ کرتے ہیں۔

لی سکرتان وللندمان واحدة ۔۔۔ شئ خصصت به من بینهم وحدی

مجھے دو نشے ہیں اور حریفان صحبت کو صرف ایک یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے اُن میں سے اکیلا میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔

لوگوں نے کسی موقع پر کہا کہ آپ موٹے تازے نظر آتے ہیں۔ لیکن جیسی محبت کا آپ کو دعویٰ ہے اُس کا یہ تقاضا تھا کہ آپ دُبلے ہوتے۔ فرمایا۔

احب قلبی وما درى بدنی ۔۔۔ ولو دری ما اقام فی السمن

میرا دل محبت میں مبتلا ہوا۔ اور بدن کو خبر نہ ہوئی۔ اور اگر خبر ہوتی تو موٹا نہ ہوتا۔

ابو محمد ہروی کا بیان ہے کہ جس رات حضرت ابو بکر شبلی کا انتقال ہوا ہے ساری رات وہ یہ دو شعر پڑھتے رہے۔

کل بیت انت ساکنه ۔۔۔ غیر محتاج الی السرج

ہر وہ گھر جس کا رہنے والا تو ہو اس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔

وجهك المامول حجتنا ۔۔۔ یوم یاتی الناس بالحجج

تیرا چہرہ جو لوگوں کی امید گاہ ہے ہماری دلیل ہو گا جس دن کہ لوگ اپنی

عہ نفحات الانس ۔ ۵ ۔ ۱۷ عہ رسالہ قشیریہ ۔ ۵ سہ نفحات الانس ۔ ۵ ۔ ۱۷۵۔

اپنی دلہنین بنا کے پیش کرین گے۔ یہی خیال فارسی مین کس خوبی سے ادا کیا گیا ہے:

روزِ قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ　　من نیز حاضر مے شوم تصویرِ جانان در بغل

آخر عمر مین اکثر یہ شعر بھی آپ کی زبان فیض ترجمان پر جاری رہتا تھا۔

وَكَمْ مِنْ مَوْضِعٍ لَوْ مُتُّ فِيْهِ　　لَكُنْتُ بِهٖ نَكَالًا لِلْعَشِيْرَةِ

اور کتنی جگہین ہین کہ اگر مین اُن مین مرجاؤن تو وہان والون کے حق مین ایک عذاب ہو جاؤن۔[۱]

جبکہ نزع کا عالم طاری تھا لوگون نے کہا کہیے لا الٰہ الا اللہ فرمایا۔

قَالَ سُلْطَانُ حُبِّهٖ اَنَا لَا اَقْبَلُ الرُّشَا　　فَسَلُوْهُ بِحَقِّهٖ لِمَ بِقَتْلِيْ تَحَرَّشَا

اُس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ مین رشوت نہین قبول کرتا تو اُسکے حق کا واسطہ دلا کے اُس سے پوچھو کہ پھر میرے قتل کے بارے مین کیون لوگون کے کہنے مین آگیا۔

شاید تتبع اور جستجو سے آپ کے اور اشعار یا آپ کے مذاق شعرخوانی کے اور نمونے نظر آجائین مگر اس قدر بہت کافی ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کا مذاق شاعرانہ کس قدر نکھرا اور لطیف تھا۔ اور کیسے صحیح محل پر آپ اشعار کو کام مین لاتے تھے۔ کیا عجب کہ تصوف مین شاعری کی چاشنی دینا اور شاعری کو تصوف کا خلعت شاہانہ پہنا دینا آپ ہی کا ایجاد ہو۔ لیکن ایسا دعویٰ کرنے کے لیے ابھی ہم تیار نہین ہین۔

عہ رسالہ قشیریہ ۱۷۰۔ عہ ابن خلکان جلد اول ۲۲۵۔

آپ کے سفر

امام ابوالقاسم قشیری فرماتے ہین کہ صوفیہ کی حالتین جداگانہ رہی ہین انہین سے بعض بزرگ اول سے آخر تک مقیم ہی رہے۔ اور اپنے گنج عزلت کو چھوڑ کے منزل سفر مین کبھی قدم نہ رکھا۔ جیسے حضرات جنید بغدادی۔ سہل بن عبداللہ۔ بایزید بسطامی اور ابوحفص حداد وغیرہم۔ بعضون نے سفر اختیار کیا۔ ساری زندگی غریب الوطنی کی نذر کر دی اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی سیاحت ہی مین تھے۔ جیسے ابوعبداللہ مغربی۔ ابراہیم بن ادہم وغیرہما۔ بعضون کی یہ حالت رہی کہ ابتدائی حال مین مشغول سیاحت ہوئے بہت سے سفر کیے۔ اور اس کے بعد ایک جگہ پاؤن توڑ کے بیٹھ گئے۔ جیسے ابوعثمان حیری۔ اور ابوبکر شبلی وغیرہما۔[سہ]

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی کی زندگی ابتدا سفر مین گذری۔ اور آخر عمر مین اقامت گزین ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آپ کی سیرت لکھنے والون نے آپ کے حالات سفر بیان کرنے مین نہایت بے پروائی اور کوتاہی سے کام لیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ نے ایک ہی نہین متعدد سفر حج کیے ہون گے لیکن کتب سیرت آپ کا ایک دفعہ حج کرنا بھی نہین ثابت ہوتا ہان محاضرات کی ایک مشہور کتاب مین البتہ آپ کے حالات زندگی کے تذکرہ مین یہ ذکر ہے کہ ایک دفعہ حج کو تشریف لے گئے دور سے جیسے ہی مکہ معظمہ کی عمارت نظر آئی ذوق و شوق کا ایسا ہیجان ہوا کہ غش کھا کے گر پڑے۔ اور جب ہوش آیا

سہ رسالہ قشیریہ۔

تو زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

فہوذا دازہم وانت محب — مابقاء الدموع فی الاماقی

یہ اُن کا مکان ہے اور تو عاشق ہے۔ پھر یہ آنسوؤں کا آنکھوں میں باقی رہنا کیسا؟

ہمارے سابقہ بیانوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ تصوف کے میدان میں آنے سے پہلے آپ نہاوند کے والی اور حاکم تھے۔ لہذا اُس زمانے کو بھی سفر کا زمانہ خیال کرنا چاہیے۔ کیونکہ وطن سرمن رای تھا حکومت علاقہ جبل کی۔ مگر اس سفر کو اس قسم کی غریب الوطنی سے کوئی علاقہ نہیں جو بقول علامہ قشیری کے اہل باطن کی ریاضت و ایک قسم کی شان ولایت ہے۔

ہاں اُس کے چند روز بعد جب آپ حضرت جنید کی خانقاہ فیض میں پہونچے اور انھوں نے فرمایا کہ تم ایک حصہ ملک کے حاکم رہ چکے ہو اور خدا کی مخلوق کا ایک بڑا حصہ تمھارے زیردست رہ چکا ہے چلو وہاں جاؤ ہر اُس شخص سے جو تمھارے زیر حکومت رہا ہو معافی چاہو اور حقوق العباد سے سبکباری حاصل کرو اس وقت آپ کا پہلا سفر ولایت شروع ہوا۔ افسوس ہمیں آپ کے اس سفر کے بھی تفصیلی حالات نہیں معلوم لیکن خیال سے مدد لی جائے تو نظر آجاتا ہے کہ آپ کس طرح گاؤں گاؤں پھرے ہوں گے۔ ایک ایک دروازے پر گئے ہوں گے اور انہیں لوگوں کے سامنے جو کل تک حلقہ بگوش امارت تھے سر عجز جھکایا ہوگا اور رنج عفو تقصیر کی خواہش کی ہوگی جنھوں نے اپنا کچھ حق بتایا ہوگا اُن کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہوگی اور چند دنوں میں سبکبار و سبکدوش ہو کے دل پر سے حق العباد کا بار

ف مستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول۔ ۱۲۸۔

اُتار کے ہلکے پھلکے مطمئن اور شگفتہ خاطر حضرت شیخ کی خدمت میں واپس آئے ہونگے
لیکن ابھی سفر کا خاتمہ نہیں ہوا تھا کیونکہ سرکشی نفس کا غرور توڑنے کے لیے
شیخ سے اور ریاضتیں بھی بتائی گئی تھیں۔ جن میں سے دو سال گدائی و
دریوزہ گری کرنا تھا۔ اس زمانے کو بھی سفر ہی میں شامل سمجھنا چاہیے کیونکہ کبھی
جگہ قیام کیا اور شب و روز پھرتے اور ادھر ادھر گشت کرتے ہی گذرے [illegible]
آپ کے اسی سفر ہی جست کی بنا پر اہل سیر کہتے ہیں کہ آپ کا ابتدائی زمانہ سفر ہی میں ہوا
آپ کی زندگی میں دو ایک واقعات اور بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جن سے
ضمنی طور پر آپ کے سفر اور بادیہ گردی و دشت نوردی کا پتہ لگتا ہے۔
چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادیۂ عرب میں آپ دشت نوردی کر رہے تھے کہ
ایک قبرستان پر گذر ہوا۔ جہاں دیکھا کہ ایک شخص روتا ہے بار بار آسمان کی طرف سر
اٹھا کے دیکھتا پھر زمین پر گال رگڑتا ہے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہے۔ دل میں
آئی کہ اس سے چل کے ملنا چاہیے۔ چنانچہ راستہ چھوڑ کے اس کی طرف چلے۔ اس نے جو
دیکھا تو اٹھ کے آگے روانہ ہوا۔ آپ نے قدم تیز کیے تو وہ دوڑ کے بھاگنے لگا۔
آخر آپ نے تنگ آکے آواز دی کہ اے ولی اللہ ٹھہر جا۔ اس نے دور ہی سے
جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے قسم دلائی۔ لیکن اس نے اب بھی نہ مانا۔ جب آپ نے کہا اچھا
اگر بات نہیں کرتے تو اپنی سچائی کا ثبوت دو۔ یہ سنتے ہی اس نے تین بار اللہ اللہ
اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور دھم سے گر پڑا۔ قریب جا کے دیکھا تو بے جان تھا اور روح
مفارقت کر چکی تھی۔ اب آپ کو فکر ہوئی کہ اس خدا رسیدہ شخص کی تجہیز و تکفین ہونا
ضرور چاہیے۔ اس قبرستان سے نکل کے ایک خیمۂ عرب کے پڑاؤ میں تشریف لے گئے

اُٹھتے ہے اِس فرض کفائی کے متعلق مدد حاصل کی۔ اور واپس آئے۔ لیکن یہاں آکے جو دیکھتے ہیں تو لاش غائب ہے۔ متحیر و پریشان کھڑے تھے کہ عالم غیب سے آواز دی "ملائکہ نے اُسکی تجہیز و تکفین کر دی۔ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو جا کے عبادت کر۔ صدقہ و خیرات دے اور اپنے کام سے لگ۔ کیونکہ انھیں اعمال کی بدولت اس مرحوم شخص نے یہ مرتبہ پایا"۔ آپ اور زیادہ حیران ہوئے کہ "یہ کون شخص تھا؟ اور اُس کے کیا حالات تھے"۔ چنانچہ اِن سوالات کو آواز بلند اُس منادیٔ غیب کے سامنے پیش کیا۔ جواب ملا کہ "یہ شخص ابتدائے عمر میں نہایت ہی گنہگار سیہ کار تھا۔ فسق و فجور، اور زنا میں مبتلا تھا۔ لیکن بارہ برس کا زمانہ گزرا کہ ایک خواب سے متنبہ ہو کے توبہ کی اور متقی پرہیزگار بن گیا۔ کل کے دن اتفاقاً ایک سائل نے اس سے سوال کیا۔ جسے اِس نے اپنے کپڑے اُتار دیے۔ سائل نے خوش ہو کے دُعا دی کہ خدا تیری مغفرت کرے۔ وہ دُعا خدا نے قبول کر لی اور اسے یہ رتبہ عطا ہوا کہ فرشتوں نے تجہیز و تکفین کی"[1]۔

اسی طرح کا ایک وہ واقعۂ سفر بھی ہے جسے ہم بیان کر آئے ہیں کہ اکل حلال کھانے کا عہد کیا تھا جنگل بیابان میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اور بھوک لگی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ ہاتھ بڑھایا کہ کچھ پھل توڑ کے کھائیں کہ خود اُس درخت نے آواز دی "اپنے عہد کو نہ توڑو۔ اور میرے پھل کھانے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں"[2]۔

ادب کی بعض کتابوں میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی ہی کی زبانی ایک بڑا

---

[1] عوارف۔ ۲۰۸۔ [2] رسالۂ قشیریہ۔ ۲۲۶۔

طولانی قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے آپ کے دوا دوسفر دن کا پتہ چلتا ہے۔

اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ دار السلام بغداد میں ابو عبداللہ اندلسی نام ایک بڑے صاحب علم و فضل ولی اللہ تھے۔ جو قرآن مجید کی تمام قرأتون سے واقف اور ۳۰ ہزار حدیثون کے حافظ تھے۔ وہ ایک مرتبہ معتقدین اور اہل باطن احباب کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ سفر کو نکلے۔ ہمراہیون مین جنید بغدادی اور شیخ ابو بکر شبلی بھی تھے۔ ارض شام کے ایک گاؤن مین پہونچ کے اُنھون نے مسیحیون کی صنم پرستی دیکھی۔ اور اُنھین ذلت کی نظر سے دیکھا۔ اسی اثنا مین کہ ایک کنوئین پر ایک قریہ کی ایک باجمال لڑکی پر جو رومی الاصل تھی نظر پڑی اور عاشق ہو گئے۔ کل ہمراہیون کو چھوڑ کے اور سب کو واپس کر کے شادی کا پیام دیا۔ جواب ملا کہ ہے اس نازنین کی آرزو ہو دین مسیحی اختیار کرے۔ گرجا کی خدمت کرے۔ اور سور چرائے ابو عبداللہ موصوف نے سب شرطین منظور کر لین۔ اور عیسائی ہو کے سور چرانے لگے۔

ایک زمانے کے بعد شیخ ابو بکر شبلی شیخ موصوف کے چند مریدون کے ساتھ پھر اس گاؤن مین پہونچے اور اُنھین اس ابتر حالت مین پایا کہ دین سے مس نہین۔ قرآن و حدیث بھول گئے۔ علم و فضل رخصت ہو گیا۔ اور عیسائیون کی ٹوپی پہنے ہوئے سور چرا رہے ہین۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی مین۔ رحمت الٰہی سے دور۔ کفر و شرک مین مبتلا۔ اور معصیت روزگار با ور کرتے ہین۔ ان سب لوگون نے واپسی کی درخواست کی تو اُنھون نے کہا "خدا کو جو کچھ منظور ہے وہی ہو گا۔ تم اس مین دخل نہ دو" اور اپنی حالت پر رہنے۔

حضرت ابوبکر شبلی مع اپنے ہمراہیون کے واپس روانہ ہوئے تو شیخ ابوعبداللہ اُندلسی نے درگاہ باری تعالیٰ مین دعا کی جو قبول ہوئی۔ اور نور ایمان سینے مین چمکا۔ آگے تیسرے دن حضرت ابوبکر شبلی سے مل گئے۔ غسل کرکے پاک کپڑے پہنے۔ عبادت کی۔ اور پھر اُن مین وہی اگلا سا علم و فضل اور زہد و تقویٰ موجود تھا۔ اُنھون نے بیان کیا کہ عیسائیون کی صنم پرستی دیکھ کے میرے دل مین غرور اور خود پرستی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اُسی کی مجھے یہ سزا ملی کہ انھین کے فتنے مین مبتلا کیا گیا۔ اس کے بعد وہ بغداد مین واپس آکے اپنی خانقاہ مین مقیم ہوئے۔ اور پھر وہی ذوق و شوق اور عبادت و ریاضت کی صحبتین قائم ہو گئین۔

اُن کو واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک دن کسی نے دروازے پر دستک دی حضرت ابوبکر شبلی نے جو اُس وقت صحبت مین موجود تھے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک عورت سیاہ چادر مین لپٹی ہوئی کھڑی ہے اور کہتی ہے کہ شیخ سے کہو "جس لڑکی کو آپ فلان گاؤن مین چھوڑ آئے تھے حاضر ہے" اُس کے آنے کا حال سُن کے شیخ ابوعبداللہ اُندلسی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ بلوا کے حال پوچھا تو اُس نے کہا کہ "آپ کے چلے آنے کے بعد میری بیتابی اور اُلجھن بڑھی۔ ایک محترم پیرمرد نے خواب مین آکے ہدایت کی کہ تو شیخ ابوعبداللہ کی پیروی کر اور مسلمان ہو جا چنانچہ مین اُن کی تلقین سے مسلمان ہوئی۔ پھر اُنھون نے میری آنکھین بند کرائین۔ اور ہاتھ پکڑ کے دو قدم چلے۔ تھوڑی دیر مین اُنھون نے مجھے یہان دجلہ کے کنارے لا کے کھڑا کر دیا۔ اور اشارہ کرکے بتایا کہ وہ سامنے شیخ کی خانقاہ ہے۔ اور تم جانا تو کہنا کہ خضر نے آپ کو سلام کہا ہے" یہ سُن کے شیخ نے اُسے رہنے کو ایک

بجرہ دیا۔ مگر پہلی دفعہ صورت دیکھنے کے بعد پھر کبھی اُس سے نہ ملتے تھے۔ اور وہ شب و روز عبادت و ریاضت مین مشغول رہتی تھی۔ یہان تک کہ بڑی مشہور عابدۂ زمانہ ہوگئی۔

تھوڑے زمانے کے بعد وہ بیمار پڑی۔ اور مرض بڑھتا ہی گیا۔ جب زندگی سے مایوس ہوئی تو شیخ کے پاس کہلا بھیجا "قبل اِس کے کہ مین دنیا سے رخصت ہون ایک دفعہ مجھے اپنی صورت دکھا جایئے" شیخ ابوعبداللہ گئے۔ اُسے روتے دیکھ کے دلدہی کی۔ اور فرمایا کہ کل یوم القرار مین ہمارا تمھارا ساتھ ہوگا گھبراؤ نہین۔ اس کے بعد وہ مرگئی۔ کچھ دنون بعد شیخ نے بھی مرض موت مین مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔ اور شیخ ابوبکر شبلی نے خواب مین دیکھا کہ بارگاہ صمدی سے اُنھین ستر حورین عطا ہوئی ہین۔ اور سب سے پہلے اُن کا عقد اسی رومیہ لڑکی کے ساتھ ہوا ہے۔[۱]

بس اِس کے سوا آپ کے سفر کا اور کوئی واقعہ ہمین نہین معلوم ہوسکا۔

سماع اور صحبت حال وقال

حضرت جنید بغدادی کی طرح آپ بھی باوجود غریق بحر معرفت ہونے اور خود رفتگی کی مستانہ شان رکھنے کے سماع کی نسبت یہی رائے رکھتے تھے کہ نہایت ہی نازک اور خطرناک چیز ہے ایک دن لوگون نے پوچھا کہ "یا حضرت سماع کی نسبت آپ کیا رائے رکھتے ہین؟" فرمایا "اُس کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت۔ لہذا

---

[۱] مستطرف فی کل فن مستظرف، جلد اول۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔

جیسے اشارات یعنی رموز باطن مین پوری معرفت حاصل ہو وہی اُس کے ذریعہ سے
عبرت حاصل کرنے کا مجاز ہے ورنہ فتنہ مین پڑجائے گا۔[1]

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی رائے مین سماع مخصوص انھین لوگون
کے لیے ہے جو اُس کے اہل ہون۔ اُس کی عام تقلید ین اگر ہم کردیا۔ اور رہ کہ ہمہ کے
لیے نغمہ و سرود کا دروازہ کھول دینا ہرگز جائز نہین۔ علی الخصوص جب یہ بھی ثابت
نہین ہو سکتا کہ حضرت جنید و شبلی کے عہد مین جس قسم کے سماع کو اہل ذوق نے اپنے لیے
جائز کیا تھا اُس مین مزامیر اور آلات طرب بھی تھے یا صرف خوش گلوئی کے ساتھ
شعر خوانی تھی۔

آپ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ بعض لوگ گانا سنتے ہین۔ اور اگرچہ اشعار
کا مطلب نہین سمجھتے مگر حال آجاتا ہے۔ ایسے لوگون کے نسبت آپ کیا ارشاد فرماتے
ہین؟ جواب مین آپ نے مجنون عامری کے چار شعر پڑھ دیے جو ذوق مین ڈوبے ہوئے ہین۔ اور
اُن سے اس اعتراض کا جواب شافی بھی ایسی خوبصورتی سے مل جاتا ہے کہ
اس سے اچھا عنوانِ جواب ہو ہی نہین سکتا۔ وہ اشعار ملاحظہ ہون۔

ربّ ورقاء ہتوفِ بالضحی ذات شجوٍ صدحت فی فنن

ہمارے احاطہ مین ایک کبوتر کی آواز آرہی ہے اُس کی آواز مین درد
ہے اور پتون مین بول رہا ہے۔

وَلَقَدْ تَشْكُو فَمَا أَفْهَمُهَا وَلَقَدْ أَشْكُو فَمَا تَفْهَمُنِي

وہ بھی شکایت کرتی ہے جسے مین نہین سمجھتا اور مین بھی شاکی ہون جو اُس کی

[1] عوارف۔ ۱۴۵۔ و رسالۂ قشیریہ۔ ۲۶

سمجھ مین نہین آتی۔

غیر انی بالھوی اعرفھا　　　وھو ایضاً بالھوی تعرفنی

سوا اس کے کہ عشق کے تعارف کرانے سے مین اُسے پہچانتا ہون۔ علیٰ ہذا القیاس وہ مجھے عشق کے ذریعہ سے پہچانتی ہے۔

ذکرت الفاؤد ھوا امالنا　　　فبکت شجواً و ھاجت شجنی

وہ محبت اور اچھے زمانے کو یاد کر کے درد سے روئی اور میرے غم کو حرکت دے دی۔[عہ]

آپکے اِس ذوق وشوق کا یہ اثر تھا کہ آپ کے عالی مرتبہ اور صاحب علم و فضل تلامذہ بھی سماع کے نہایت ہی دلدادہ تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم نصرآبادی کا شمار بھی اِسی قسم کے صاحبان ذوق مین تھا۔ وہ آپ کے اعلیٰ درجے کے اصحاب مین تسلیم کیے جاتے تھے۔ علم حدیث اور کثرت روایت مین شہرت رکھتے تھے۔ اور اپنے عہد مین شیخ خراسان مشہور تھے۔ مگر باوجود اِن کمالات ظاہری کے اُنھین سماع مین بہت دلچسپی تھی۔ یہان تک کہ ایک دن اُن مین اور ابوعمرو بن نجید مین جو ابوعثمان حیری کے اصحاب وتلامذہ مین تھے اور جنید بغدادی کی آنکھین دیکھے ہوئے تھے کسی صحبت مین تکرار ہوگئی۔ ابوعمرو نے اُنھین سماع اور نغمہ وغیرہ مین منہمک ہونے پر الزام دیا۔ نصرآبادی نے جواب مین کہا "مین بے شک ملزم ہون اور آپ کا کہنا سچ ہے مگر جس صحبت مین ایک شخص تو قول مباح کہتا ہو اور باقی سب خاموش ہون اُس محفل سے اچھی ہے جس مین غیبتین کی جاتی ہون"۔[عہ]

عہ نفحات الانس - ۵ - ۱۷ - عہ عوارف - ۱۲۹ - ۱۵۰ -

اس کے متعلق ہمین کوئی محاکمہ کرنے کی ضرورت نہین ۔ لیکن اس واقعہ سے صرف اتنا ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ اس وقت کے سماع کی صحبتوں مین صرف ایک مغنی گانے والا ہوتا تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور آواز نہین سنی جاتی تھی ۔ اگر مزامیر یعنی طنبورے اور ڈھولک کے قسم کی کوئی چیز ہوتی تو ابوالقاسم نصرآبادی یہ نہ کہہ سکتے کہ ایک شخص تو قول مباح کہتا ہو اور باقی سب خاموش ہون ۔ لہذا وہ تنہا صرف شعرخوانی سے عبارت ہے نہ نغمۂ مزامیر سے جیسا کہ اکثر عوام مین خیال کیا جاتا ہے ۔

تعلیم اور طرز تعلیم

آپ کی تعلیم نہایت سخت تھی ۔ اور اس قدر دشوار کہ بہت کم لوگ اس کے متحمل ہوسکتے ہون گے ۔ لیکن مدرسۂ باطن کی تعلیم ہوتی ہی سخت ہے ۔ کیونکہ ہاتھ پاؤن اور تمام اعضا و جوارح کو کسی کام سے روک کے اپنے قابو مین لانا اتنا مشکل نہین جس قدر کہ دل کو صرف ایک طرف متوجہ رکھنا اور خیال کو ادھر ادھر جانے سے روکنا ہے ۔ اگر ہم اپنے نفوس کا اندازہ کرین تو دل پر ایسا قابو حاصل کرنا ہمارے نزدیک منجملہ محالات نظر آتا ہے ۔

حضرت جنید بغدادی نے اپنے مدرسۂ باطن مین لیتے وقت جیسی جیسی سخت ریاضتین آپ سے کرائین ان پر کاربند ہونا اور ان کو بجا لانا سچ یہ ہے کہ آپ ہی کا کام تھا ۔ ورنہ ہماری تو اتنی مجال نہین کہ نفس انسانی کو یون زنجیر مین بند کرکے اپنا مطیع و منقاد بنالین ۔ لیکن جہان آپ نے معیار خداپرستی اتنا سخت

قرار دیا تھا وہاں خدا نے آپ کو مرید اور عقیدت کیش بھی ایسے سچے صاحب خلوص اور دھن کے پکے دیے تھے کہ ہر طرح کی ریاضت و نفس کشی کرنے پر آمادہ ہو جاتے اور چاہے کیسی ہی زحمت و مصیبت کا سامنا ہوتا مرشد کا حکم بجا لانے مین کوتاہی نہ کرتے۔ دراصل اُس زمانے کی یہی خیر و برکت تھی جس نے ہر علم و فن مین ایسے ایسے باکمال پیدا کر دیے جیسے کہ اسلام کو پھر کم نصیب ہوئے۔

ابو العباس دامغانی کو جو آپ کے مریدین مین تھے آپ نے ہدایت فرمائی کہ "خلوت اختیار کرو۔ لوگون مین سے اپنا نام مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف مُنہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہان تک کہ اسی حالت مین موت آجائے"[۱] ایک اور مرید کو نصیحت فرمائی کہ "پرہیزگاری تین طرح کی ہے۔ (۱) زبان سے۔ (۲) ارکان۔ (اعضا و جوارح) سے (۳) اور دل سے۔ زبان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ جس امر سے کچھ تعلق نہ ہو اُس مین انسان خاموش رہے۔ ارکان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ شبہات چھوڑ دیے جائین اور جو چیز شکوک پیدا کرتی ہو اُسے چھوڑ کے اُس چیز کی طرف رجوع کیا جائے جس مین شک و شبہ نہین۔ اور دل کی پرہیزگاری یہ ہے کہ ذلیل و حقیر ارادون اور بُرے خیالات سے پیچھا چھڑا لیا جائے"[۲]

حصری جو آپ کے مریدان خاص مین تھے جب پہلے پہل مرید ہو کے علم باطن مین مشغول ہوئے تو حضرت ابوبکر شبلی کی خدمت مین ہر جمعہ کو حاضر ہو کے درس حقیقت لیا کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ "ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جبکہ تم میرے پاس آتے ہو اس اثنا مین اگر خدائے واحد ذوالجلال کے سوا کسی

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۶۷۔ [۲] عوارف۔ ۲۹۴۔

اور کا خیال بھی تمھارے دل میں گذر جائے تو یقین میرے پاس آنا حرام ہے۔ع۲

ایک مرتبہ ایک درویش اپنی ریاضت میں ہارا ہوا اور اپنی زندگی سے بیزار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ "یا حضرت۔ وفاداری دین کا واسطہ میری فریاد رسی کیجیے۔ بتائیے کہ اب کیا تدبیر کروں؟ کیا اِس راہ حق سے مایوس ہو کے واپس لوٹ جاؤں؟" فرمایا "اے شخص تو تو کفر کے دروازے کی کنڈی کھڑکھڑا رہا ہے۔ کیا نہیں سُنا کہ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ؟ (رحمت الٰہی سے نا امید نہ ہو) یہ سُنتے ہی اُس نے کہا "ہاں اب مجھے اطمینان ہوا"۔ اُس کی زبان سے یہ کلمات سُن کے آپ نے فرمایا "ہاں! حضرت جل وعلا کو آزماتا ہے؟ کیا نہیں سُنا کہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون" (سوا بد نصیب زیان کاروں کے کوئی شخص اللہ کے مکر سے بے پروا نہیں ہے) بولا "پھر آپ ہی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟" ارشاد ہوا "جا حضرت عزاسمہ کے دروازے پر سر ٹیک یہاں تک کہ دم نکل جائے۔ شاید آواز آجائے کہ من بالباب" (دروازے پر کون ہے؟)ع۳

اس سے بخوبی روشن ہے کہ جس منزل باطن میں آپ اپنے مریدوں کو لیجانا چاہتے تھے وہ کس قدر دشوار اور کٹھن تھی۔ اور کیونکر نہ ہو اسی راستے کو بڑی سخت آزمائشوں اور دشوار سے دشوار ریاضتوں سے خود آپ نے طے کیا تھا۔ غرض حضرت جنید نے جس قسم کی نفس کُشیاں آپ سے کرائی تھیں ویسی ہی نفس کُشیاں آپ اپنے مریدوں سے کراتے۔ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے اور توبہ کر کے طالب حق بنا

ع۲ طبقات الکبری ۔ ۱۲۳۔ رسالہ قشیریہ ۔ ۲۳۶۔ ع۳ تذکرۃ الاولیا ۔ ۶۹۰۔

تو آپ اُس سے فرماتے جنگل مین جا۔ توکل اختیار کر۔ اور تمام امور سے مجرد ہونے کے بعد خانۂ کعبہ کا حج کر کے آ۔ تب تو میری صحبت کے قابل ہوگا۔" یہ کہنے کے بعد بغیر کسی زادِ راہ اور سواری کے اسے اپنے ہم صحبتون کے ساتھ جنگل کی طرف روانہ کر دیتے۔ لوگون نے عرض کیا کہ "آپ تو خدا کی مخلوق کے ہلاک کرنے کا بندوبست کر رہے ہین۔" فرمایا "نہین۔ میرے پاس جو آتا ہے اُس کی غرض خدا شناسی ہوتی ہے۔ میری مصاحبت کے لیے کوئی نہین آتا۔ اور اگر بالفرض اُسکے دل مین میری خدمت ہی کا خیال ہے تو پھر یہ بت پرستی ہے۔ اور اس سے تو وہ میرے پاس آنے سے پہلے ہی اچھا تھا۔ کیونکہ موحد فاسق زاہد راہبون سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور جب معلوم ہو گیا کہ ان لوگون کی غرض جستجوے حق ہے تو پھر کوئی اندیشہ نہین۔ اس راہ مین ہلاک ہو گئے تو بھی سمجھو کہ فائز المرام ہو گئے۔ لیکن اگر یہ سب مصیبتین جھیل کے واپس آ گئے تو اس سفر کی تکلیفین انھین ایسا راستی پسند بنا دین گی کہ یہان ٹھہر کے اگر دس سال تک مجاہدہ کرتے تو بھی اتنے درست ہوتے۔"[۱]

اس ارشاد سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ آپ کیسی سخت ریاضت کراتے تھے۔ اور جو شخص آپ کے حلقۂ ارادت مین شریک ہو جاتا تھا اُس کی کتنی جلد اصلاح ہو جاتی تھی۔

جو مرید آپ کی خانقاہ مین حاضر رہتے اُن سے بھی تھوڑی نفس کشی نہین کرائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنی خانقاہ سے نکل کے مریدون مین تشریف لائے جن کا شمار چالیس تھا۔ اور اُن سے فرمایا "لوگو!

---

[۱] تذکرۃ الاولیا۔ ۶۹۵۔

اللہ جل شانہ بندون کے رزق کا کفیل ہے۔ اور فرماتا ہے "وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (جو پرہیزگاری کے ساتھ اُسکی طرف رجوع کرے اُس کے لیے بسر کے دینے کھولتا اور وہان رزق دیتا جہان سے ملنے کا اُسے خیال بھی نہ تھا۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہی اُس کے لیے کافی ہے" آپ کی ہدایت سن کے سب نے توکل اختیار کر لیا۔ اُسی اللہ جل شانہ سے لو لگائی۔ اور سب طرف سے توجہ ہٹالی۔ آپ انھیں اس عہد کا پابند کر کے واپس چلے آئے۔ اور اُن کی یہ حالت ہوئی کہ تین دن گزر گئے۔ اور کھانے کو کچھ نہ ملا تیسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے اور فرمایا "لوگو! اللہ جل شانہ نے سبب کو بندون کے لیے مباح کیا ہے۔ اور فرماتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ (وہ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمھارے سامنے عاجز و ذلیل بنا دیا۔ لہذا اُسکے راستون مین چلو اور اُس کے رزق کو کھاؤ) اس لیے اب مناسب ہے کہ جو شخص تم مین سب سے زیادہ نیک نیت ہو اس عزلت گاہ سے نکل کے جائے اور تلاش معاش کرے۔ شاید کچھ قوت اُس کے ذریعے سے تمھین حاصل ہو جائے" چنانچہ سب نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ اُس نے جا کے شرقی و غربیؑ بغداد مین چکر لگایا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تین دن کا بھوکا تھا۔ اور نہایت ہی ناتوان ہو رہا تھا۔ اتنا پھرنے سے ضعف اور بڑھا۔ اور چلنے سے معذور ہو گیا۔ آخر مجبوراً ایک نصرانی

ؑ بغداد کے دو حصے تھے ایک جو دریائے دجلہ کے شرقی جانب آباد تھا۔ اور دوسرا جو اسکے مغربی جانب۔ تھا یہ دونون حصے شرقی غربی بغداد کے نام سے مشہور تھے۔

طبیب کے مطب کے پاس جا کے بیٹھ گیا۔ یہان خلقت کا ہجوم تھا۔ ہر مرض کے
مریض جمع تھے۔ اور حکیم صاحب علاج کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردون کو مخاطب
کر کے دواؤن کے افعال وخواص بیان کرتے جاتے تھے۔ جب بھیڑ چھٹی اور
مجمع کم ہوا تو حکیم صاحب کی نظر اس شکستہ حال فقیر پر پڑی شفقت سے کہا نزدیک بلا کے
پوچھا "تمھین کیا شکایت ہے؟" یہان مانگنے کی عادت تو تھی نہین۔ اور پھر مانگنا بھی
ایک غیر مذہب شخص سے۔ زبان نے عرض حال کی یاری نہ دی۔ مگر ایک اختیاری
کی حرکت سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ طبیب نے نبض دیکھی اور دل میں
سمجھ گیا کہ "تمھارا مرض معلوم ہوا۔ اور اس کی دوا کی جاتی ہے"۔ کہہ کر صبر
کرو۔ پھر اپنے غلام کو پرچہ لکھ دیا کہ بازار سے جا کے ایک رطل روٹی ایک
رطل بھنا ہوا گوشت اور ایک رطل حلوا لے آؤ۔ جب غلام ان چیزون کو لایا تو حکیم
صاحب نے انھین درویش کے حوالے کر کے کہا "تمھاری دوا یہی ہے۔" فقیر نے کہا
"آپ نے مرض خوب تشخیص کیا اگر تجربہ منظور ہو تو مرض کی دوا چاہیے کہ اس مرض میں
چالیس آدمی مبتلا ہین۔" یہ سنا اور طبیب نے فوراً غلام کو بھیج کے مذکورہ بالا تینون چیزون سے
ہر ایک چیز چالیس چالیس رطل کی مقدار مین منگوائی۔ پھر ان سب چیزون کو خوان
مین لگا کے ایک مزدور پر رکھوایا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص جہان لے جائے۔ ان
چیزون کو ساتھ جا کے پہونچا آ۔" غرض حضرت شبلی کا یہ مرید خاص خدائے عزوجل علا
کی عطا کی ہوئی ان نعمتون کو لیے ہوئے اس عزلت گاہ مین پہونچا جہان آپ
اپنے انتالیس مریدون کے ساتھ بیٹھے ہوے تھے۔ اور مصروف ذکر الٰہی تھے۔
آپ اس کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنی خلوت گاہ سے باہر نکل آئے۔ کھانے کو

دیکھا اور فرمایا "اس کھانے کا عجیب بھید ہے" پھر اُس مرید سے ساری گزشت
سُنی۔ اور جب وہ بیان کر کے خاموش ہوا تو فرمایا "کیا تم لوگ راضی ہو کہ ایک
نصرانی کا کھانا کھاؤ؟ اور کچھ معاوضہ نہ کرو؟" سب نے عرض کی کہ "یا حضرت
اس کا معاوضہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا "اُس کے حق میں دُعائے خیر کرو" اب
سب نے ہاتھ اٹھا کے اُس کے لیے ہدایت اور خیر و برکت کی دعا کرنا شروع
کی۔ اتفاقاً وہ نصرانی طبیب بھی ان مریضان توکل کی حالت دیکھنے کے لیے اس
مرید کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ اور یہاں باہر کھڑے ہوئے ایک روشن دان میں
سے جھانک جھانک کے ان سب کیفیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب ان لوگوں کی یہ حالت
حالت دیکھی تو نہایت متاثر ہوا۔ اور جب سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے
تو ضبط نہ ہو سکا آ کے دروازے پر دستک دی۔ اور جیسے ہی دروازہ کھلا
بے تابانہ اندر کے سامنے آیا کلمہ شہادت پڑھ کے حضرت شیخ شبلیؒ کے ہاتھ پر
بیعت کی اور دین اسلام میں شامل ہو گیا۔ اس وقت دعا کے فوراً مقبول
ہونے کی ایسی حیرت انگیز تصویر نظر آئی کہ سب کو اللہ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ
کا عین الیقین ہو گیا۔ یہ طبیب اس کے بعد نہایت ہی سچا اور خالص العقیدہ مسلمان
ثابت ہوا اور حضرت شبلیؒ کے مریدوں میں داخل رہا۔[۱]

ایک شخص آپ کی صحبت میں اکثر شریک ہوتا اور آپ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا
تھا۔ اُس نے ایک دن عرض کیا کہ چاہتا ہوں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں۔ فرمایا
اپنا مال بیچ ڈال۔ اپنے قرض کا تصفیہ کر۔ اپنی بی بی کو طلاق دے۔

---

[۱] روض الریاحین۔ یافعی ۱۱۴۔

اپنے بچون کو یتیم بنا دے۔ اور اُن کو اپنے تعلقات سے یہان تک مایوس کردے کہ تجھے مُردون مین شمار کرین۔ اُس شخص نے اِن سب باتون پر عمل کیا۔ اور کچھ تھوڑا سا قوت لایموت سے کے حاضر ہوا۔ فرمایا "یہ جو لائے ہو اِسے فقرا کے آگے ڈال دو۔ اور اُن کے ساتھ بیٹھ کے کھاؤ"ع

اِن باتون پر اکثر اہل ظاہر کو اعتراض ہو لیکن حق یہ ہے کہ اِس قسم کے اعتراضات عموماً غلط فہمیون پر مبنی ہوا کرتے ہین بعض علما نے اِن باتون پر حضرت ابوبکر شبلی یا دیگر ارباب باطن کو الزامات دیے ہین اُن کی بنیاد صرف اِس امر پر ہے کہ جن چیزون کو حضرت شارع علیہ السلام نے جائز اور حلال کیا ہے انھی یہ بزرگ مریدون کو رد کتے اور منع کرتے ہین۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو جائز نعمتین عطا فرمائی ہین اُن کو شکر گزار رہ کے قبول کرنا درکنار یہ اُنھین اپنی رائے سے بغیر کسی حجت شرعی کے ممنوع قرار دیتے ہین۔ چنانچہ انھین وجوہ سے کبھی تو وہ کہتے ہین کہ یہ بزرگ شرک فی الرسالت مین مبتلا تھے یعنی جو حق صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا خود بھی حاصل کر لیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس اصول کے مطابق کہ خدا و رسول کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرنا کفر ہے ان پاک سیرت خدا پرستون کی نسبت کفر کا فتوے دیتے ہین۔ لیکن غور سے دیکھا او . ذرا عقل سے کام لیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ معترضین خود ہی ناسمجھی اور غلطی مین مبتلا ہین۔

اِن بزرگون نے کبھی کسی حلال چیز کی نسبت نہین کہا کہ وہ ناجائز یا حرام ہے

ع تلبیس ابلیس۔ ذکر نبذۃ من کلامہم فی القرآن ۱ر

اور نہ کسی حرام چیز کو کبھی حلال بتایا۔ انھون نے صرف اپنے مدرسے کے طلبہ اور اپنے فن کے سیکھنے والون کو یہ سبق دیا کہ گو خدا کی ہزارون نعمتین حلال طیب ہین۔ مگر روحانی ترقی اور صفائے باطن کے لیے اِن اِن چیزون سے احتیاط کرنے کی ضرورت ہی۔ کیونکہ جب تک غذا مین اتنی تقلیل نہ کی جائے اور نفس کو موٹا کرنے والی چیزون سے ہاتھ نہ روکا جائے کوئی شخص نہ روحانی قوت حاصل کر سکتا ہی اور نہ نفس کو قابو مین لا سکتا ہی۔ لہذا ان کے دربار فیض کا جواز و عدم جواز شرعی حلت و حرمت سے کوئی واسطہ نہین رکھتا۔ بلکہ وہ خاص قسم کا پرہیز ہے جس کو شریعت یا ثواب آخرت سے تعلق نہین۔

اگر ایسے پرہیز کرانے ہی سے انسان کافر ہو سکتا ہے تو سب سے بڑے کافر (معاذ اللہ) ہمارے اطبا اور ڈاکٹر ہون گے جو روز بلا ناغہ مریضون کے لیے ہزارہا چیزین حرام اور ہزارہا جائز کیا کرتے ہین۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ طبیبون اور ڈاکٹرون کو ان علمائے ظاہر نے کبھی الزام دیا اور نہ اُن کی نسبت اِس بنیاد پر کبھی کفر و ارتداد کا فتوی دیا گیا۔ اصل حقیقت یہ ہی کہ صوفیۂ کرام جو احتیاطین اور جس قسم کے پرہیز بتایا کرتے ہین وہ شرعی حیثیت سے نہین بلکہ روحانی طبیب ہونے کی حیثیت سے ہین۔ ہم سمجھتے ہین کہ ہمارے اس بیان سے بہتون کی غلط فہمیان دور ہو گئی ہون گی۔ اور موجودہ اہل حدیث جو ان بزرگان باطن پر بے تکان اعتراض کر دیا کرتے ہین اِس سے باز آ جائین گے۔

اب ہم حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی اُن تعلیمون کو بتاتے ہین جن کا سلسلہ پند و نصائح کی حیثیت سے ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور جن سے دنیا اپنی آخری دم

تک فائدہ اُٹھاتی رہے گی۔ کیونکہ ان تعلیموں میں بڑے بڑے دقیق مسائل
اعلیٰ درجہ کی حکمتیں۔ اور دینی و اخلاقی تعلیمیں مستتر ہیں۔ اور انسان جس قدر
زیادہ غور کرے گا اسی قدر زیادہ اُن سے لطف اور فائدہ اُٹھائے گا۔

لوگوں نے ایک دن پوچھا "حضرت توحید کیا ہے؟" اس کا جواب آپ نے
عجیب و غریب جوش و جلال کے الفاظ میں یہ دیا کہ "جو اس سے تعبیر کرے
(یعنی توحید کو الفاظ میں بیان کرے) ملحد ہے۔ جو اس کی طرف اشارہ
کرے وہ ثنوی (یعنی دو خداؤں کا ماننے والا) ہے۔ جو اس کی طرف
رجوع کرے وثنی (یعنی بت پرست) ہے۔ جو اس سے گفتگو کرے غافل ہے۔
جو اس سے ساکت رہے جاہل ہے۔ جس کے دل میں یہ وہم ہو کہ پہونچ گیا۔
اُسے سمجھو کہ کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ جو اس سے قریب ہونے کا دعوے کرے وہ
دور ہے۔ جو گمان کرے کہ اُسے پالیا وہ اصل میں کھونے والا ہے۔ جو کچھ تم نے اپنے اوہام
سے تمیز کیا۔ اور جو کچھ اپنے پورے معانی سے تم نے پایا وہ حقیقت سے ہٹا ہوا ہے اور
تمہاری ہی طرف واپس آتا ہے۔ اور وہ سب تمہارا ہی ایسا حادث و مصنوع ہے۔"
فرماتے تھے "جو شخص علم توحید سے ذرہ برابر بھی مطلع ہو گیا وہ اس کے
بوجھ کے سبب سے جسے اُٹھائے ہوئے ہے باقی تمام چیزوں کے برداشت
کرنے سے عاجز و ناتوان ہے۔ اور جسے خیال گزرا کہ اُسے توحید حاصل ہو گئی اُس
نے یہ سمجھو کہ توحید کی بو بھی نہیں سونگھی۔" چنانچہ خود اپنی نسبت بھی باوجود
اس اعلیٰ مرتبہ عرفان کے فرماتے تھے کہ "جب میں یہ گمان کروں کہ میں نے اسے کھو دیا

؎ عوارف - ۱۲ - ؎ رسالہ قشیریہ - ۱۴۶ - ۱۰۸ -

تو سمجھو کہ اس وقت مین نے پا لیا۔ اور جب مین یہ خیال کر دن کہ مین نے پا لیا تو جانو کہ درحقیقت مین نے کھو دیا" کبھی فرماتے کہ "جس نے اللہ جل شانہ کو اُسی سے طلب کیا اُس کی توحید صحیح ہوا اور جس نے اپنے نفس سے طلب کیا اس کی توحید ٹھیک نہین" ایک شخص سے آپ نے پوچھا "جانتے بھی ہو کہ تمہاری توحید کیون درست نہین؟" اُس نے عرض کیا "نہین" فرمایا "اس لیے کہ تم اُسے اپنی ذات سے طلب کرتے ہو" نیز فرمایا "توحید تجھ سے اس لیے نہین بن پڑتی کہ تو اسے اپنی طرف طلب کر رہا ہے۔ اور جس کے پاس توحید صورت نہین پیدا کرتی وہ کبھی توحید کی بو نہ سونگھے گا" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "توحید موحد کی صفت بے حقیقۃً اور اسکا زیور ہے رسماً" پھر ایک مرتبہ جوش مین آکے فرمایا "توحید موحد کا ایک حجاب ہے جمال احدیت سے"

تصوف کی نسبت بھی آپ کی دقیقہ سنجیان اور وہ جواہر معرفت جنھین آپ بحر عرفان مین غوطہ لگا کے نکال لائے ہین بہت ہی پرلطف اور محفوظ رکھنے کے قابل ہین۔ فرمایا "تصوف ایک جلا دینے والی بجلی ہے" کسی اور موقع پر فرمایا "تصوف اللہ کی صحبت مین بے غم ہو کے بیٹھنے کا نام ہے" ایک مرتبہ ارشاد ہوا "تصوف یہ ہے کہ انسان ایسا رہے جیسا کہ وجود (عالم ہستی) مین آنے سے پہلے تھا" کسی صحبت مین یہ ارشاد ہوا کہ "تصوف نگاہ رکھنا قوتون یعنی حواس کا اور نگاہ رکھنا انفاس کا ہے" کبھی جوش مین آکے یہ کہہ دیا "تصوف شرک ہے۔ کیونکہ تصوف

عـ۱ عوارف۔ ۱۲۲۔ عـ۲ طبقات الکبری۔ ۱۲۳۔ عـ۳ طبقات الکبری۔ ۱۲۳۔ عـ۴ تذکرۃ الاولیا۔ ۱۰۷۔ عـ۵ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۷۷۔ عـ۶ تذکرۃ الاولیا ۱۰۷۔ عـ۷ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۲۲۔

دل کی نگہبانی ہی غیر سے اور غیر "میں" یعنی خودی کا خیال ہے"۔ ایک مرتبہ فرمایا "تصوف یہ ہے کہ انسان آپ تو ہستی کے دیکھنے سے باز رکھے"۔

صوفی کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ "وہ خلقت سے منقطع اور اللہ سے متصل ہے۔ جیساکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ واصطنعتک لنفسی (تجھے میں نے اپنے نفس کے لیے اختیار کیا) یعنی ہر غیر (ماسوی اللہ) سے قطع کر دیا۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ "لن ترانی" (نہ دیکھے گا تو مجھے) ایک اور موقع پر آپ نے صوفیوں کی یہ صفت و حالت بیان کی کہ "صوفی بچہ ہیں حق کے گود میں"۔ کسی نے پوچھا "صوفیہ کا نام صوفی کیوں رکھا گیا؟" فرمایا "اس لیے کہ اُن میں کچھ خودی باقی رہ گئی ہے یہ بات نہ ہوتی تو اُن کا کچھ نام ہی نہ رکھا جاتا"۔ ایک موقع پر یہ فرمایا کہ "صوفی اس وقت صوفی ہوتا ہے جب ساری خلقت کو اپنے عیال خیال کرے" یعنی سب کا کفیل و بار بردار سمجھے۔ نیز فرمایا کرتے "صوفی خلقت کے دیکھنے سے معصوم (محفوظ) ہو جاتا ہے"۔

لوگوں نے پوچھا کہ فقیری کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا "یہ کہ سوا خدا کے اور کسی چیز کے ذریعے سے غنیٰ نہ حاصل کرے"۔ چنانچہ اسی امر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ایک مرتبہ یوں فرمایا "فقر کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ میں ہو۔ پھر اُسے وہ ایک ہی دن میں خیرات بھی کر دے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر اُس کے دل میں یہ خیال گزر گیا کہ اپنے لیے میں نے

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۰ و ۲۰۱۔ عہ رسالہ قشیریہ۔ ۱۶۶۔ عہ طبقات الکبریٰ ۱۲۴۔

للعہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۱۔ عہ رسالہ قشیریہ۔ ۱۶۶۔ عہ عوارف۔ ۲۹۸۔

ایک دن کا قوت لایموت رکھ لیا ہوتا تو اُس کا فقر چا نہیں" یونہین ایک اور موقع پر کسی نے اسی فقیری کے مسئلہ کو پوچھا فرمایا "فقر یہ ہے کہ سوا ذات باری تعالیٰ کے کسی دولت کی آرزو نہ ہو"[۱]

محمد بن عبد الوہاب کا بیان ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے معرفت کی نسبت سوال کیا فرمایا" اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ ہے اور انتہا کی کوئی حد و نہایت نہیں" نیز ارشاد فرماتے ہین "عارف اُس کے سوا کسی کو نہین دیکھتا۔ اور نہ اُس کے سوا کسی کے کلام کو زبان پر لاتا ہے۔ اور نہ سوا اللہ جل شانہ کے کسی کو اپنی ذات کا محافظ خیال کرتا ہے"[۲] ایک دفعہ فرمایا "عارف کا وقت بھی گویا موسم بہار ہے۔ بادل گرجتا ہے۔ ابر برستا ہے۔ کوندا چمکتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ پھول کھلتے ہین بُلبل چہچہاتے ہین۔ بعینہ اسی طرح عارف کی آنکھ روتی ہے۔ لب ہنستے ہین۔ دل جلتا ہے۔ سر ہلتا ہے۔ ہمیشہ دوست کا نام لیتا ہے۔ اور اُس کے دروازے پر چکر لگاتا ہے" ایک مرتبہ ارشاد ہوا "عارف وہ ہے کہ کبھی تو ایک مچھر کی تاب نہ لاسکے اور کبھی ساتون آسمانون اور زمینون کو ایک پلک کی نوک پر اُٹھالے" معرفت کے متعلق اپنے جذب وجوش کو زیادہ خصوصی منظر مین لاکے فرماتے ہین "عارف وہ ہے کہ دُنیا کی اِزار بنائے۔ اور آخرت کی چادر۔ پھر دونون کو اُتار کے اللہ جل شانہ کے ساتھ منفرد ہو جائے"[۳] اس کے بعد معرفت کی نوعیتون کی تصریح فرماتے ہین کہ "معرفت کی تین قسمین ہین۔ (۱) معرفت حق تعالیٰ کی۔ یہ محتاج ذکر الٰہی کی ہے

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۱۶۱ و ۱۶۲ [۲] طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۳ [۳] رسالۂ قشیریہ۔ ۱۸۶۔

(۲) معرفت نفس کی یہ محتاج ہے فرائض دینی ادا کرنے کی۔ (۳) معرفت باطن کی۔ اور یہ محتاج ہے اِس بات کی کہ انسان اُس کے احکام اور قضا و قدر پہ راضی یعنی راضی برضا ہو جائے[۱]

محبت چونکہ تصوف اور کمال باطن کی سیڑھی اور رمزشناسی کی جان ہے اس لیے فرماتے ہیں "محبت یہ ہے کہ محبوب جو چاہے اُس کو اختیار کر لو۔ لہٰذا تجھے اُس سے نفرت ہو۔ اور جس چیز سے محبوب کو نفرت ہو اُسے چھوڑ دے اگرچہ تجھے اُس سے اُنس و اُلفت ہو[۲] منصور بن عبداللہ نے حضرت ابوبکر شبلی کو یہ فرماتے سُنا "محبت یہ ہے کہ تجھ میں اِس بات کا جوش رقابت پیدا ہو کہ تجھ سا کوئی اور شخص بھی اُس سے محبت کرتا ہے"[۳] ایک موقع پر ارشاد فرمایا "محبت کا نام محبت اِس لیے رکھا گیا کہ سوا محبوب کے سب چیزوں کو دل سے مٹا دیتی ہے"۔ ایک دفعہ فرمایا "مجنون عامری سے لوگوں نے پوچھا "تمہیں لیلےٰ سے محبت ہے" کہا "نہیں" پوچھا "کیوں"؟ کہا "محبت ذریعۂ وصل ہے۔ اور یہاں ذریعہ ہی درمیان سے ساقط ہو گیا۔ کیونکہ میں لیلےٰ ہوں اور لیلےٰ میں ہے"[۴] یہ ہے وہ محبت جسے آپ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور جو آپ کے الفاظ و افعال سے بار بار چمک اُٹھا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے محبت کی نسبت سوال کیا تو فرمایا كَأْسٌ لَهَا وَهَجٌ إِذَا اسْتَقَرَّ فِي الْحَوَاسِّ وَسَكَنَ فِي النُّفُوسِ تَلَاشَتْ[۵] (ایک جام ہے جس میں ایک ایسی گرمی ہے جس نے اگر حواس میں قرار پکڑ لیا اور نفس میں

---

[۱] تذکرۃ الاولیا۔ ۱۰ [۲] عوارف۔ ۳۲۴ [۳] رسالہ قشیریہ۔ ۱۸۹
[۴] طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲ [۵] عوارف۔ ۳۲۱

پھر یہی تو ساری ہستی کو لوٹ کے اپنے رنگ مین رنگ دیتی ہے۔ ایک دفعہ ارشاد
فرمایا "محبت یہ ہے کہ جس چیز کو تو دوست رکھتا ہو اُسے محبوب کے لیے نثار کرے۔"
اور محبت کے اثر کو ان الفاظ مین بتایا کہ ہیبت دلون کی گداز کرنے والی ہے
محبت کی آگ جانون کی پگھلانے والی ہے۔ اور شوق نفسون کا گلانے والا ہو
زہد و ورع (پرہیزگاری) کی نسبت فرماتے تھے "ورع یہ ہے کہ تو ماسوای اللہ
سے تو پرہیز کرے۔ علی ہذا القیاس زہد کی نسبت لوگون نے سوال کیا تو فرمایا
"زہد یہ ہے کہ کل ماسوای اللہ سے تو زاہد (کنارہ کش) ہو جائے۔ دوسرے
موقع پر فرمایا "زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو بھول جائے اور آخرت کو یاد مین نہ لائے۔"
ایک دفعہ ارشاد ہوا "زہد یہ ہے کہ دل کو اشیا سے خالقِ اشیا کی طرف پھیرے۔"
پھر ایک دفعہ جوش وحدت سے از خود رفتہ ہو کے فرما دیا "زہد غفلت ہے کیونکہ
دنیا ناچیز ہے اور ناچیز مین زہد کرنا غافل ہونا ہے۔" اور سب سے زیادہ آپ کا
پُر لطف و پر مغز فقرہ ورع کی نسبت یہ ہے۔ اَلْوَرَعُ اَنْ تَتَوَرَّعَ اَنْ تَتَشَتَّتَ قَلْبُكَ
عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ "پرہیزگاری اِس بات سے بچنے کا نام ہے کہ ایک چشم زدن
کے لیے بھی تیرا دل اللہ جل شانہ کی طرف سے نہ ہٹے۔" اور آخر اُس حضرت رب العزت
کی تمہ رشتہ کا مدہ کا لحاظ فرما کے اور دریائے عرفان مین غرق ہو کے فرما دیا
اور سچ تو یہ ہے کہ زہد کوئی چیز ہی نہین ہے۔ کیونکہ دو صورتون سے خالی
نہین ہے۔ یا تو انسان اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے پاس نہین ہے
تو یہ کنارہ کشی ہی نہین ہے۔ اور یا اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے

عہ تذکرۃ الاولیا - ۱۰۲ عہ رسالہ قشیریہ - ۲۰۴، ۲۰۷ عہ تذکرۃ الاولیا - ۲۰۳

پاس ہے۔ تو اُس سے کنارہ کشی کیونکہ ممکن ہے؟ اس لیے کہ وہ تو اُس کے ساتھ اور اُس کے پاس موجود ہے۔ غرض یہ کہ زہد و ورع نفس کی لاف زنی کے سوا کچھ نہیں عہ" یہی خیال دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا گیا ہے "جو مقدر میں ہے ضرور پہونچے گا۔ اور جو مقدر میں نہیں کتنی ہی محنت و مشقت سے کام لو نہ ملے گا۔ پھر زہد کیا ہوا؟ عہ"

ایک شخص نے آکے کثرت عیال کی شکایت کی۔ نہایت ہی سہولت اور متانت سے فرمایا "ایک کام کرو۔ اپنے گھر میں جا کے دیکھو جس کسی کا رزق خدا کے ذمے نہ ہو اُسے نکال دو"۔ باوجود اِس حد تک راضی برضا ہونے اور ہر چیز کو اُس احدلم یزل کے قبضۂ قدرت میں سمجھنے کے آپ میں عجب آزادانہ بانکپن تھا۔ کسی نے کہا "کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ رحمٰن ہے؟" فرمایا "ہاں جانتا ہوں۔ لیکن جب سے اُس کی رحمت کو جانا ہے اُس سے رحم کی درخواست نہیں کی"۔ سائل نے متحیر ہو کے عرض کیا "کیوں؟" فرمایا "اس لیے کہ حریت (آزادی) کا مقام زہد و معرفت سے زیادہ معزز ہے للعہ"

احمد بن محمد بن زید نے ایک دن حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی زبان فیض ترجمان سے مندرجۂ ذیل کلمات ہدایت و معرفت سُنتے تھے۔ جو اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھے جائیں۔ "عارف کو کسی سے علاقہ نہیں۔ محب کو کوئی شکایت نہیں۔ خوف زدہ کو کبھی قرار نہیں۔ اور اللہ عزوجل سے کسی کو مفر نہیں للعہ

عہ عوارف۔ ۲۹۵۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۳۰۷۔ سہ عوارف۔ ۲۱۶۔

للعہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۳۰۔ ۱۸۴۔

کسی نے پوچھا "دنیا کیا ہے؟" فرمایا "ایک دیگچی ہے جو جوش کھا رہی ہے اور ایک تھیلا ہے جو بھر رہا ہے۔" اپنے اہل زمانہ سے کہا کرتے "تم لوگ قبریں ہو۔" کسی نے عرض کیا "کیوں؟" فرمایا "اس لیے کہ تم میں سے ہر ایک کپڑوں میں دفن ہے۔" تو اس پر کسی اور نے کہا "تو ہمارا شمار مُردوں میں ہے؟" فرمایا "بے شک عارف سو رہے ہیں۔ اور جاہل مُردے ہیں"[۱]

ایک شخص نے آپ کے سامنے اپنا یہ شبہ پیش کیا کہ دنیا تو افعال و اشغال کے لیے ہے اور آخرت احوال کے لیے۔ پھر راحت کب ہو گی؟ فرمایا "دنیا کے اشغال سے دست بردار ہو جاؤ تاکہ آخرت کے احوال سے بھی نجات مل جائے۔"

ایک مرتبہ فرمایا "عبودیت اُٹھ جانا تیری مراد اور ارادے کا ہے اس جل شانہ کے ارادے کے مقابلہ میں۔ اور تیرے اختیار کا ٹوٹ جانا ہے اس کے اختیار کے مقابلے میں۔ اور تیری آرزوؤں کا ترک ہے اُسی قضا کے مقابلے میں"[۲]

فرماتے ہیں غیرتیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) غیرت بشریت نفسوں پر (۲) اور غیرت الٰہی دلوں پر۔" اس کی بعد تصریح فرماتے ہیں کہ نفسوں پر غیرت الٰہی یہ ہے کہ کل ماسوی کو تو ضائع کر دے[۳] علیٰ ہذا القیاس ارشاد فرمایا ہے کہ دعوتیں تین ہیں۔ (۱) دعوت علم (۲) دعوت معرفت۔ (۳) دعوت معائنہ علم الیقین۔ اور عین الیقین، اور حق الیقین کے الفاظ ہر اہل و نااہل کی زبان سے سُنے جاتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ حضرت ابوبکر شبلی نے ان کی کیا تعریف و تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں علم الیقین وہ علم ہے جو ہمیں انبیا علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے پہنچا ہے اور عین الیقین وہ علم ہے

[۱] طبقات الکبری۔ ۱۲۲ [۲] تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۰۲ ۷ [۳] رسالہ قشیریہ۔ ۱۵۱

جو اعمال ہدایت مین خوض و غور کرنے سے بغیر کسی ذریعے اور واسطہ کے دل کو حاصل ہو۔ اور حق الیقین وہ ہے جس کے مضامین تک اِس عالم مین رسائی نہین ہو سکتی۔[۱]

کسی نے پوچھا یا حضرت آفتاب غروب کے وقت زرد کیون ہو جاتا ہے؟ فرمایا "اسلیے کہ وہ اپنی تکمیل کے مقام سے علٰحدہ ہوتے وقت آنے والے مقام کے خوف سے زرد ہو جاتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔ دنیا سے نکلتے وقت اُس کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے کیونکہ آئندہ کی منزل سے ڈرتا ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو چمکتا ہوا نکلتا ہے۔ اسی طرح مومن جب قبر سے نکلتا ہے اُس کا چہرہ چمکتا ہوا ہوتا ہے۔"[۲]

شریعت و طریقت و حقیقت کا فرق بتاتے ہین کہ شریعت یہ ہے کہ تو اُس خدائے عز و جل کی عبادت کرے۔ طریقت یہ ہے کہ تو اُس کو طلب کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تو اُس کو دیکھے۔[۳]

دل کو خدا کے خیال کا مرکز و مستقر ہونے کے باعث آپ نے بھی کعبہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "بیت اللہ الحرام (کعبۂ شریف) مین حضرت خلیل علیہ السلام کے آثار ہین اور دل مین حضرت رب العزت کے آثار۔ علیٰ ہذا القیاس جس طرح خانۂ کعبہ مین ستون ہین۔ اسی طرح دل مین بھی ستون ہین مگر بیت اللہ کے ستون پتھر کے ہین۔ اور دل کے ستون اُس جوہر سے بنائے گئے ہین جو انوار معرفت کے معادن سے نکلتا ہے۔"[۴]

---

[۱] تذکرہ اولیا ... [۲] طبقات الکبری ۱۲۰ [۳] تذکرۃ الاولیا ۲۰ [۴] طبقات الکبری ۱۲۲

فرماتے ہین خلقت جو اشارہ حق کی طرف کرتی ہے وہ اشارہ مردود ہے۔ مگر جو اشارہ حق سے حق کی طرف ہو اور خلقت کو اُس مین دخل نہ ہو وہ اشارہ البتہ مقبول ہے۔

مریدون کو ہدایت فرماتے کہ دنیا مین استقامت قیامت پر محمول کرنے کا نام ہے۔ حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے۔ لہٰذا اُسی وقت کے انتظار مین ثابت قدم رہنا استقامت ہے۔

کتنے بڑے نازک مسئلۂ الٰہیات کو آسانی کے ساتھ چند الفاظ مین حل کر دیا ہے کہ بندے کا بندے کی آنکھ مین ظاہر ہونا عبودیت ہے۔ اور حق تعالیٰ جل شانہٗ کے حسنات کا اُس پر ظاہر ہونا مشاہدہ۔ لیکن اس سے زیادہ پُر مذاق یہ لطیفہ ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے مشاہدۂ حق کی کیفیت پوچھی فرمایا "ہمارے لیے خدا کا مشاہدہ کہان؟ خدا ہمارا مشاہدہ کر رہا ہے"۔

ایک ہی ادمی آپ کے اِس قسم کے مختلف و متبائن الفاظ سُن کے لوگون نے عرض کیا "حضرت۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کبھی کچھ فرماتے ہین اور کبھی کچھ؟" جواب مین ارشاد ہوا "ہم کبھی باخود ہوتے ہین اور کبھی بیخود۔"

نتائج صوفیہ پر جو عالم وجد طاری ہوا کرتا ہے اُس کی حالت بیان فرماتے ہین کہ "اَلْوَجْدُ اِظْهَارُ الْمَوْجُوْدِ" یعنی وجد اُس موجود مطلق کے ظاہر کرنے سے عبارت ہے۔ پھر خود ہی ان لوگون کا خیال کر کے جو نااہل ہونے کے ساتھ وجد کا

عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۴۔ عہ رسالہ قشیریہ۔ ۲۵۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۴۔

لاعہ رسالہ قشیریہ۔ ۵۸۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۴۔

اظہار کیا کرتے ہیں ارشاد فرمایا "جب تک شہود کا مرتبہ نہ حاصل ہو. وجد میرے نزدیک انکار (باری) ہے. اور جسے خدا وند جل وعلا کا شہود حاصل ہے وہ میرے خیال میں (اس) ہستی کے شہود کو فنا کر دیتا ہے۔"

اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو فرماتے "جلّ الواحدُ المعروفُ قبلَ الحدودِ وقبلَ الحروفِ" یعنی حرفوں اور تعریفوں سے پہلے ہی وہ مشہور یگانہ (مطلق) بزرگ و برتر ہوا" علیٰ ہذا القیاس یہ بھی کبھی فرماتے "الٰہی حق سبحانہ کی ذات کی نہ کیفیت بیان کی جا سکتی ہے۔ اور اس کے کلمات کے لیے حرف نہیں ہیں" مریدین سے اکثر فرماتے "اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا جلیس (ہم صحبت) ہوں" اس کے اور پوچھتے "ایسی صورت میں بتاؤ کہ خدا کے پاس بیٹھ کے اسکی صحبت سے تم لوگوں نے کیا فائدہ اٹھایا؟"

ابوالحسن شنی کا بیان ہے کہ "ایک دن میں جامع بغداد میں شیخ ابو بکر شبلی کی صحبت میں بعض یابان معرفت کے حلقے کے پاس ایک کنارے پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک شخص مشائخ کی وضع و لباس میں آیا۔ اور پوچھا کہ "اے شیخ۔ وصل کیا چیز ہے؟ سنتے ہی شبلی نے اس کی طرف رخ کر کے دیکھا اور فرمایا "اے وصل کی حقیقت پوچھنے والے دو چیز کے لگاؤں کو چھوڑ دے۔ تو نے یہ کیا اور وصل کے درجے کو پہونچ گیا" اس نے عرض کیا کہ حضرت وہ دونوں لگاؤ کون سے ہیں؟" فرمایا "ایک یہ کہ تمہارے سامنے کلمو اللہ تک پہونچنے سے روکتا ہے" پوچھا "اور وہ دوسرا کون سا ہے؟" فرمایا "دنیا و آخرت۔ چنانچہ خود ہمارا پروردگار فرماتا ہے

ع۵ عوارف المعارف ۱۷ و ۱۰۳ اعۃ۵ روض الریاحین ۳۲۸ و ۳۲۹ رسالۂ قشیریہ ۴۰ ع۵ رسالۂ قشیریہ ۱۶۱

کہ مِنکُم مَن یُرِیدُ الدُّنیَا وَمِنکُم مَن یُرِیدُ الآخِرَۃ (تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور کوئی آخرت چاہتا ہے) وہ شخص کہاں ہے جو خدا کو چاہتا ہو؟" یہ جواب دینے کے بعد آپ کے دل میں توحید اور عشق الٰہی کا جوش ہوا اور عجب جیابی کے بیچ میں یہ کلمات آپ کی زبان سے نکلے "اِذَا قُلتَ اللہ فَھُوَ اللہ! وَاِذَا سَکَتَّ فَھُوَ اللہ! یَا اَللہ! یَا اَللہ! یَا مَن ھُوَ ھُوَ! وَلَا یَعلَمُ اَحَدٌ مَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ سُبحَانَہٗ! وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ (جب تو کہے اللہ تو وہ اللہ ہے! اور جب تو خاموش رہے تب بھی وہ اللہ ہے! اے اللہ! اے اللہ! اور اے وہ کہ وہ وہی ہے! اور خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے! پاک ہے وہ! پاک ہے وہ! وہ اکیلا ہے اور کوئی اُس کا شریک نہیں!) یہ کلمات ایسے جوش اور ایسے دل سے نکلے تھے کہ آپ زیادہ کی تاب نہ لا سکے۔ یہیں تک پہونچنے پائے تھے کہ بیہوش ہو کے زمین پر گر پڑے۔ اور مریدین آپ کو اُٹھا کے گھر میں لائے۔

ابو علی مغازلی نے ایک دن خدمت میں عرض کیا کہ "یا حضرت بعض اوقات میں کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتا ہوں تو اُس کے اثر سے دل اس بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کر دوں۔ اور دُنیا کی طرف سے مُنہ پھیروں۔ مگر یہ حالت تھوڑے زمانے کے بعد جاتی رہتی ہے اور دل اپنی طرف اور دُنیا کے لوگوں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے"۔ آپ نے سُن کے فرمایا "جو کشش تم میں پیدا ہوتی ہے وہ اُس حضرت رب العزت کی لطف

سے نفحات الانس ۔ ۲۹۲۔۲۹۳۔

حال پر توجہ اور اُس کا لطف و کرم ہے۔ اور اس کے بعد پھر اپنی حالت پر آجانا اس کی شفقت ہے۔ اس لیے کہ اُس کی طرف توجہ کرنے میں تمھارے لیے مناسب نہیں ہے کہ اسکی طاقت اور قوت سے علیحدگی اختیار کرو"۔

ابو الحسین مرو الرّوزی کو حضرت شبلی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اُنھوں نے ایک دن آپ سے سوال کیا کہ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْن سب فیاضوں سے بڑا فیاض کون ہے؟" فرمایا "وہ جس نے کبھی کسی شخص کو ایک گناہ پر ایک دفعہ معاف کر دیا تھا۔ لہذا اب اُس گناہ پر کبھی کسی شخص کو عذاب میں نہ مبتلا کرے گا۔ محض اس خیال سے کہ یہ وہ گناہ ہے جو فلاں بندے کے لیے معاف کر دیا گیا تھا" یہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ جس ممنوع میوے کے کھانے پر آپ کا قصور معاف کیا گیا اب اسے سب کھاتے ہیں۔ اور خدا کسی سے اُسکی بازپُرس نہ کرے گا۔

لوگوں نے ایک دن عرض کیا کہ ابو تراب نخشبی (جو مشہور روزگار اولیاء اللہ میں گزرے ہیں) صحرا میں ایک دن بھوکے ہوئے تو نظر آیا کہ سارا صحرا غذاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ سُن کے فرمایا "یہ ایک بندہ تھا جس کے حال پر مہربانی ہوئی۔ لیکن اگر تحقیق کے مقام پر پہونچا ہوا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ بلکہ ویسا ہوتا جیسا کہ حضرت رسالت آب صلعم فرماتے ہیں۔ اِنِّی اَظَلُّ عِنْدَ رَبِّی یُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِی (میں اپنے پروردگار کے پاس رہتا ہوں جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

ایک دن لوگوں نے پوچھا "حضرت رسول اللہ صلعم نے جو ارشاد فرمایا ہے

عہ رسالۂ قشیریہ۔ ۲۰۲۔ عہ طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲

کہ خیر عمل المرء کسب یمینہ (انسان کا سب سے اچھا عمل وہ ہے جسے اپنے دہنے ہاتھ (اپنی قوت بازو) سے حاصل کرے) اسی میں کسب یمین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جب رات ہو پانی سے وضو کرو۔ اور نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جب جتنی نماز چاہتے پڑھو۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا کے درگاہ رب العزت میں دعا کرو۔ بس یہی تمہارا کسب یمین ہے۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ "توبہ میں دیر لگانا اور تاخیر کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس لیے کہ جب گنہگار نے یہ کہا کہ سال بھر بعد توبہ کروں گا تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ سال بھر تک گناہ کرتا رہوں گا۔"

یہ بھی آپ کی تعلیمات باطنی میں سے ہے کہ "اللہ جل شانہ لوگوں کے ظرف و حوصلے کے مطابق ان کے سامنے سے واسطوں یعنی پردوں کو ہٹایا کرتا ہے۔ کیونکہ جو حالات انبیا علیہم السلام پر منکشف ہو گئے ہیں اگر اولیاء اللہ پر ذرہ بھر بھی کھل جائیں تو ان کی ولایت باطل ہو جائے اور بارگاہ ربانی سے وہ کلیتہً منقطع ہو جائیں۔"

کبھی کبھی شیعوں اور خوارج پر اعتراض کرتے۔ اور فرماتے کہ شیعوں اور خارجیوں سے زیادہ تنگ حوصلہ کوئی نہیں۔ کسی نے اگر برا کیا تو اپنے لیے اور بھلا کیا تو اپنے لیے کیا۔ مگر یہ دوسروں کی حمایت یا مخالفت میں اپنا وقت برباد کیا کرتے ہیں۔

وقت کی قدر و قیمت علمائے ظاہر کی زبان سے بارہا سن چکے ہو۔ اور

ع مستطرف فی کل فن مستظرف۔ جلد اول، ص ۱۲۰۔ ع عوارف ص ۲۰۹ ع طبقات الکبریٰ ص ۲۲۔ ع تذکرۃ الاولیاء ص ۲۰۳

خصوص آج کل مغربی مذاق کے رہبران اخلاق کے ہزار ہا پُرشان و شکوہ الفاظ کانون مین گونج رہے ہون گے۔ اب ذرا سنو کہ ایک اگلا صاحب دِل ولی اللہ اس انمول پونجی کی وقعت کس عنوان سے بتاتا ہے۔ حافظ صوفی شیخ ابو سعید مالینی حضرت ابو بکر شبلی کا یہ بہا قول بیان فرمایا کرتے تھے کہ "یہ وقت کی پونجی جو تمھارے پاس ہے اسے فخر و ناز کے ساتھ رکھو کیونکہ کل یہی سرمایہ تمھارے پاس ہوگا۔ اور اسی کے ذریعے سے اُس کے ساتھ ازلی صحبت رہے گی"۔

ہمارے گران پایہ مورخ زمانہ شمس العلما مولٰنا شبلی نعمانی نے مولٰنا سے روم کے اکثر اشعار سے موجودہ مسائل سائنس کے ثبوت دیے ہین۔ اس سلسلے مین وہ شاید حضرت ابو بکر شبلی کے اس قول سے یہ فائدہ اٹھا سکین کہ قدما کے نزدیک زمانہ حرکت فلکی سے منتزع ہے۔ اور اگر یہ رفتار فلک نہ ہو تو زمانہ بھی نہ باقی رہے۔ یہ حال کی تحقیق ہے کہ زمانہ تخلیق اور قبل و بعد تخلیق کی حالتون سے یکسان متعلق ہوسکتا ہے۔ لیکن ان جدید محققون سے بہت پہلے اسلام کا ایک پاک نفس صوفی کہ رہا ہے کہ "اس عالم کے فنا ہونے کے بعد بھی خدا کے ساتھ ازلی صحبت مین زمانہ موجود ہوگا"۔

آپ قرآن مجید مین بہت زیادہ خوض و فکر کرتے۔ اور علم باطن کے متعلق ایسے نازک لطیفے اور بحر عرفان کے گوہر شاہوار ڈھونڈھ نکالتے جو اب سے پیشتر شاذ و نادر ہی کسی کے ہاتھ لگے تھے۔ چنانچہ اکثر آیات قرآنی

نفحات الانس ۱۷۶۔

کی آپ نے ایسی اچھی تفسیر کی ہے اور اُن سے ایسے مسائل اپنی الہامی قوت سے حاصل کیے ہیں جو سچ یہ ہے کہ آپ ہی کا حصہ ہیں۔

آپ کے زمانے میں شیخ ابو بکر احمد بن موسیٰ مقری قرآن کی ساتوں قراتوں کے عالم بے ہمتا تھے۔ اور علوم قرآن میں اُن کی سند مانی جاتی تھی۔ اُنھوں نے جب حضرت ابو بکر شبلی کو یہ دعویٰ کرتے دیکھا کہ علم، فضل سے مرتبہ فساد بھی ہو جایا کرتا ہے تو اعتراضاً آپ کی خدمت میں آکے کہا علم سے اور فساد پیدا ہونے سے بھلا کیا علاقہ؟ اور یہ بھی دیکھو کہ اس سے نفع کس قدر حاصل ہوتا ہے۔ اُسنتے ہی حضرت شبلی بولے "تو اللہ جل شانہ کے قول فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ* کا کیا مطلب؟" اس کے بعد جناب شیخ شبلی نے سوال کرنے کے لہجے میں اُن سے فرمایا "مگر اے قرآن کا درس دینے والے بتا کہ قرآن میں یہ مضمون کہاں ہے کہ محبوب اپنے چاہنے والے پر عذاب نہیں کرتا" شیخ احمد مقری جب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دے سکے تو حضرت شبلی نے فرمایا کہ "سنو اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ

* یہ آیت سورۂ ص کی ہے۔ معنی یہ کہ "وہ (سلیمان) پنڈلیوں اور گردنوں پر گھوڑوں کی ہاتھ مارنے لگا۔" اس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سُنا کہ سمندر کے کنارے دریائی گھوڑے نکلتے ہیں۔ یہ سُن کے آپ نے اچھی نسل کی گھوڑیاں وہاں بندھوا دیں۔ گھوڑیاں اُن سے حاملہ ہوئیں۔ اور نہایت ہی اچھے بچے جنے یہ بچے جب تیار کر کے ملاحظہ میں لائے گئے تو آپ اُن میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج ڈوب گیا اور عبادت کا وقت گزر گیا۔ اس پر آپ کو غصہ آیا اور اُن عمدہ نسل کے گھوڑوں کو منگا کے کاٹ ڈالا۔ یہی آخری واقعہ اس آیت میں مذکور ہے۔

اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهٗ کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں۔ غالباً شیخ کا مقصود یہ ہے کہ باوجودیکہ یہود و نصاریٰ شرک و کفر میں مبتلا اور سرکش ہیں مگر چونکہ خدا کے دوست اور عزیز ہونے کے دعویدار ہیں اسلیے وہ اُن پر عذاب نہیں کرتا۔

اِس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیتوں کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (کہہ دے (اے محمد صلعم) مومنین سے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں سر کی آنکھوں کو محارم سے اور دلوں کی آنکھوں کو ماسوای اللہ سے۔ آیہ کریمہ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (مگر وہ شخص جو خدا کے پاس قلب سلیم لے کے حاضر ہو) کی تفسیر میں فرمایا "یہ قلب سلیم ابراہیم علیہ السلام کا قلب تھا۔ اس لیے کہ وہ بندے کی خیانتوں اور حضرت رب العزت کی ناراضیوں سے اپنے امکان بھر محفوظ تھے۔"

ایک مرتبہ کسی نے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کے معنے پوچھے۔ فرمایا خداوند جل وعلا ہمیشہ سے تھا اور عرش بعد پیدا ہوا۔ یاد رکھو کہ رحمٰن عرش سے نہیں بلکہ عرش رحمٰن سے مستوی ہوا[۳]۔ ایک مرتبہ آیہ کریمہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے دے گا ایسا کہ تو راضی ہو گا) پڑھی اور فرمایا خدا کی قسم جب تک آپ کی امت کا ایک شخص بھی آتش دوزخ میں رہے گا آپ ہرگز راضی نہوں گے[۴]۔

---

[۱] طبقات الشافعیہ سبکی۔ جلد دوم۔ ۱۰۳ ۔ [۲] نفحات الانس ۱۷۷۔ [۳] طبقات الکبریٰ ۱۲۳۔ [۴] روض الریاحین ۲۲۹ ۔ و رسالہ قشیریہ۔ [۵] تلبیس ابلیس علی الصوفیہ فی ... والدعاوی۔

ابونصر عبداللہ بن علی طوسی سراج اپنی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں کہ ایک دن ابوبکر بن خفیف نے شبلی سے اللہ جل شانہ کے قول وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (اور مکر کیا اُنھوں نے (کافروں نے) اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ سب سے اچھا مکر کرنے والا ہے) کو پیش کر کے عرض کیا کہ "خیر اُن لوگوں کا مکر تو معلوم ہے۔ مگر اللہ کا مکر کیا ہے؟" فرمایا "اللہ کا یہ مکر ہے کہ وہ جس حالت پر تھے اُسی حالت پر اُنھیں چھوڑ دیا۔ اگر وہ چاہتا تو اُن کی حالت ایک آن واحد میں بدل دیتا"۔ ابوبکر ابن خفیف موصوف کی صورت دیکھی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ بات اِن کے دل پر نقش نہیں ہوئی ہے۔ بولے "تم نے فلاں عورت کو کبھی یہ شعر گاتے سنا ہے کہ۔

وَتَقْبُحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِيْ ۔۔۔ وَتَفْعَلُهٗ وَتَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَ

کوئی کام تیرے سوا کوئی اور کرتا ہے تو مجھے بُرا معلوم ہوتا ہے اور وہی کام تو کرتا ہے تو یہ تجھ سے اچھا معلوم ہونے لگتا ہے"۔[1]

لوگوں نے ایک موقع پر آپ سے حدیث نبوی إِذَا رَأَيْتُمْ أَهْلَ الْبَلَاءِ فَاسْئَلُوا رَبَّكُمُ الْعَافِيَةَ (جب تم مبتلاء بلا لوگوں کو دیکھو تو اپنے پروردگار سے عافیت کی دعا مانگو) کے معنے پوچھے فرمایا "مبتلائے بلا وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے غافل ہیں"۔[2]

---

[1] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۱۵۵۔ [2] طبقات الکبریٰ للشعرانی ۱۲۳۔

آپ کی مخالفت

دنیا مین اختلاف کیا جانا اور اہل زمانہ کا عداوت و دشمنی پر آمادہ ہو جانا ہمیشہ اہل حق اور سچے خدا پرستون کی آزمائش کا ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ یہ دشواری ہر فن اور ہر قسم کے باکمالون کو پیش آیا کی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد حنبلؒ کے ایسے ائمۂ فقہ و حدیث بھی زمانے کی اِس عام سرد مہری سے نہین بچے تو پھر بیچارے صوفیون کے لیے کیونکر مفر ہو سکتا ہے؟۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات مین ہم بیان کر چکے ہین کہ باوجود احتیاط شدید اور عام لوگون کے سامنے خاموش رہنے کے طعن خلائق اور صاحب اقتدار اُمرا کی سختیون سے نہ بچ سکے۔ زمانے کی جب یہ حالت ہو رہی تھی تو حضرت ابو بکر شبلی کا دامن اُن لوگون کے ہاتھ سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ کیونکہ آپ تو مرشد کے روکنے پر بھی رموز باطن کو علانیہ علی رؤس الاشہاد اور بر سر منبر بیان فرمایا کرتے تھے حسین بن منصور حلاج کے نذر اجل ہونے کے وقت ارکین سلطنت کو عام صوفیون کی طرف سے بدگمانی ہو گئی تھی جن مین سب سے اعلیٰ مرتبہ آپ ہی کا تھا اور اُس وقت آپ کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے تھے کہ لوگون کی بدگمانیہ نظرین سب سے زیادہ آپ ہی پر پڑ رہی تھین۔ مگر اپنی عادت کے خلاف اُن دنون آپنے ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اور اس فتنۂ عظیم سے بچ گئے۔

مگر وہ خیر ایک خاص موقع تھا۔ آپ کی زندگی ہمیشہ ایسی بدگمانیون کا ہدف بنی رہی چنانچہ جہال اور عوام کے ہاتھون آپ نے بڑی بڑی تکلیفین اُٹھائین۔ ہمیشہ خلقت کے

شعر روشن میں مبتلا اور ردّ وقبول کے ہچکولے برداشت کرتے رہے۔ اکثر لوگ آپ کے
قتل پر [illegible] آمادہ رہے۔ کیونکہ آپ کی بھی بعض باتیں حسین بن منصور حلاج کی باتوں
سے ملتی جلتی تھیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ لوگوں نے راہ چلتے ڈھیلے مارے جن سے پاؤں
اس قدر زخمی ہو گیا کہ چلتے تو زمین پر خون کے چھاپے بن جاتے۔ اس کا بھی ذکر ہو چکا
ہے کہ زنجیروں میں باندھ کے بٹھائے گئے۔ غرض کہ کوئی بات اٹھا نہیں رہی۔
مگر پھر بھی [illegible] خوش نصیبی تھی کہ سربرآوردگان سلطنت اور امرائے دولت بھی آپ کی
[illegible] ہوئے۔ جیسا کہ دیگر بزرگان صوفیہ اور ائمۂ دین کو پیش آیا تھا۔
[illegible] صوفیہ کو بھی اختلاف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوبکر یزدانیار ارموی
[illegible] تصوف کے ایک جداگانہ طریقہ کے بانی ومجتہد
تھے۔ [illegible] مشائخ عراق خصوصاً ابوبکر شبلی وغیرہ کے طرز عمل اور آپ کی تعلیموں
پر [illegible] تھے۔ [illegible] اس کے کہ عوام الناس آپ کے مخالف ہوں عراق
اور بغداد کے مشائخ [illegible] ابوبکر یزدانیار کے خلاف ہو گئے تھے[ع]
لیکن خود شیخ ابوبکر یزدانیار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں حضرت ابوبکر شبلی سے جو
کچھ اختلاف تھا۔ ویسا ہی تھا جیسا کہ حضرت جنید بغدادی کو تھا۔ چنانچہ فرماتے تھے مجھے
ان لوگوں سے جو اختلاف ہے صرف اس بنا پر ہے کہ انھوں نے اسرار الٰہی کے رموز
[illegible] اور نااہلوں پر فاش کر دیے۔ ورنہ جانتا ہوں کہ وہ مقتدائے قوم ہیں۔
اور ان کی محبت کو میں قربت الٰہی کا ذریعہ قرار دیتا ہوں[ع]

ع تذکرۃ الاولیاء ۔ ۲۸۵ ۔ ع نفحات الانس ۔ ۱۲۸ ۔

ع طبقات الکبریٰ ۔ ۱۲۴ ۔

علیٰ ہذا القیاس شیخ ابوالحسن صوفی فوشنجی[۱] اور شیخ ابوبکر شبلی مین بھی اختلاف ہوگیا تھا۔ بلکہ بالمشافہ بحث بھی ہوئی[۲]۔ مگر یہ اختلافات اُسی قسم کے تھے جیسے کہ بعض فقہا کو دیگر فقہا سے ہوا کرتے ہین جن مین کسی قسم کا شر نہین ہوتا۔ اور جن کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ "اختلاف العلماء رحمۃ[۳]"۔

اسی قسم کا اختلاف اُس عہد کے ایک شیخ ابوالحسن مثنّی کو بھی شیخ ابوبکر شبلی سے رہا تھا جنھون نے اپنے شباب کے زمانے مین حضرت شبلی کو دیکھا تھا۔ اور آپ کے حلقۂ درس کے قریب کھڑے ہو کے روحانی تعلیم و تعلّم کی کیفیت ملاحظہ کی تھی[۴]۔

تعلیمات کی ذیل مین ہم بیان کر آئے ہین کہ اُس عہد کے امام قرأت شیخ ابوبکر احمد بن موسیٰ مقری نے حضرت شبلی کے اِس دعوے پر کہ علم کبھی مُنجر بہ فساد بھی ہو جاتا ہے اعتراض کیا تھا جس کا شبلی نے آیات قرآنی سے ایسا نمایان ثبوت دیا کہ سوا خاموش ہو جانے کے کچھ بنائے نہ بنی[۵]۔

اور سچ یہ ہے کہ اپنے روحانی جذبات کے جوش مین بعض اوقات آپ علم سفینہ اور کتابت کی جو مخالفت کر بیٹھا کرتے تھے اُس نے جماعت علما کو آپ کی طرف سے ضرور بدظن کر دیا ہوگا۔ دوات کو دیکھ کے کہنا کہ "اپنی سیاہی ہٹاؤ میرے لیے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے" یا یہ فرمانا کہ "جب وہ (علما) اوراق کا علم لے کے میرے سامنے آتے ہین تو مین خرقہ کے علم سے اُن کا مقابلہ کرتا ہون[۶]" علما کی دل آزاری کے لیے تھوڑی بات نہ تھی خصوص اُن دنون جبکہ حدیث کے لکھنے اور نقل کرنے کا

---

[۱] طبقات الکبریٰ مین علامہ شعرانی "فوشنجی" کی جگہ "بوسنجی" لکھتے ہین۔ ۱۴۹۔ [۲] نفحات الانس۔ ۲۱۴۔
[۳] طبقات الکبریٰ۔ ۱۴۱ [۴] نفحات الانس۔ ۲۹۳ و ۲۹۴۔ [۵] نفحات الانس ۲۲۱ [۶] تلبیس ابلیس۔

رواج ساری دنیائے اسلام میں اعلیٰ کمال دینی تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن یہ اختلافات اسی وقت تک تھے جب تک علما لوگوں سے سن کے بغیر دریافت کیے مخالفت شروع کر دیتے۔ اُن میں سے اگر کبھی کوئی اصل حقیقت دریافت کرنے کی طرف مائل ہوتا اور خود آپ سے مل کے تحقیق کرتا تو فوراً اختلاف سے باز آجاتا بلکہ آپ کا معتقد ہو کے واپس جاتا۔ چنانچہ ابن بشار جو اس زمانے کے باکمالوں میں تھے ابتداءً حضرت شبلی کے اس قدر خلاف تھے کہ لوگوں کو آپ سے ملنے آپ کی صحبت میں آنے جانے۔ اور آپ کی تقریر سننے سے روکا کرتے۔ اتفاقاً ایک دن آپکے پاس آئے تاکہ آپ کے علم وفضل اور آپ کے اصول وعقائد کا امتحان کریں۔ پوچھا "کیوں حضرت کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں تو اُن کی زکوٰۃ کیا دے؟" اس سوال پر حضرت ابوبکر شبلی نے سکوت کیا تو ابن بشار نے مکرر سہ کرر یہی سوال کیا۔ آخر شبلی نے کہا "کہ از روئے شرع واجب تو ایک بکری ہے۔ مگر ہم سے لوگوں کے لیے لازم ہو کہ پانچوں اونٹ زکوٰۃ میں دے دیں۔" ابن بشار نے کہا "اس مسئلے میں تمھارا کوئی امام بھی ہو یا ذاتی اجتہاد ہے؟" فرمایا "ہمارا امام اس مسئلہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ اور جب آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ" اپنے عیال کے لیے کیا رکھا ہے؟" تو کہا" اللہ اور اُس کے رسول کو" یہ مسکت جواب سن کے ابن بشار بے کچھ کہے سنے چپکے اپنے گھر واپس گئے۔ اور پھر کبھی کسی کو حضرت شبلی کے پاس آنے سے نہیں روکا۔[۵]

بہر تقدیر حضرت شبلی سے اگرچہ بہت کچھ اختلاف کیا گیا۔ اور آپ کو مختلف صحبتوں

---

[۵] طبقات الکبریٰ - ۱۲۳ -

اور جماعتوں میں الزام دے گئے مگر آپ کے اصول توحید اور جذبات الٰہی پر کوئی مخالفت نہیں غالب آسکی۔ اور آخر تک آپ اُن رموزِ وحدت اور اسرارِ معرفت کے حامل اور مبلغ رہے جو حضرت جنید بغدادی کی معرفت آپ کو اسلاف کرام سے پہونچے تھے۔ اور آپ کے ذریعے سے ہمارے عہد کے پاک باطن صوفیون تک پہونچے ہین۔

فیض یابان صحبت معاصر اور مُرید

جو روحانی فیض حضرت جنید بغدادی سے دُنیائے اسلام کو پہونچا جس کی اشاعت آج تک جاری ہے اور خدا نے چاہا تو ہمیشہ رہےگا اُس کی بقا سے وابستگی اُس سلسلہ کی ایک طلائی کڑی چونکہ حضرت شبلی بھی واقع ہوئے ہین لہذا دیگر بزرگان سلف کی طرح آپ کا فیض بھی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہےگا۔ اگر چشمِ بصیرت سے دیکھیے تو تمام اسلامی خانقاہون کے چراغون مین حضرت ابوبکر شبلی کے سینے کا نور بھی چمکتا نظر آئے گا۔ اسی طرح حقیقت شناسی کے کان موجودہ صوفیہ صافی طینت کی ہُو حق مین اکثر اوقات شیخ شبلی کا نعرۂ مستانہ بھی سُن لیا کرتے ہون گے۔

فیض یابون کی وہ جماعت جن کو بلاواسطہ یا بعد کے زمانون میں آپ سے فیض روحانی پہونچا ہم اُن خوش نصیب اور بابرکت بزرگون کا بھی شمار نہیں بتا سکتے جنھون نے اپنی آنکھ سے آپ کا جمال جہان آرا دیکھا اور آپ کے نورانی سینے کی شمع معرفت سے اپنے باطن کی شمعین روشن کین۔ ہان اُن مین سے اُن چند مخصوص لوگون کی فہرست پیش کرتے ہین جن کے نام ہمین علماء سیر سے معلوم ہوئے ہین یا جن کے مبارک نام آپ کے حالات کے سلسلے مین آگئے ہین۔

ان مین دو قسم کے لوگ ہین - ایک تو وہ جو آپکے معاصر تھے - آپ کی طرح وہ بھی اس دور مین مقبول و مستند خیال کیے جاتے تھے - اور علوم باطن کی خدمت بجالا رہے تھے - اور اس کے ساتھ اُنھین آپ سے ملنے دیکھنے یا کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا - اور دوسرے وہ بزرگ جو آپ کے مرید تھے آپ کی صحبت فیض مین شریک ہوئے تھے - اور آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہو کے مرتبہ امام اور رہنمائے خلق تک پہونچے تھے

اول الذکر قسم کے لوگون مین مندرجہ ذیل حضرات ہین :-

ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد مقری علم قرأت کے مستند عالم تھے اور شیخ قرات مانے جاتے تھے - ساتون قرأتون سے واقف ہی نہین مصنف بھی تھے ۲۴۵ھ مین پیدا ہوئے حضرت ابوبکر شبلی سے ملے اور چونکہ شبلی علم سے ضرر بھی پہونچنے کے قائل تھے لہذا اعتراضاً کہا "علم سے فساد کہان ؟" اس کے جواب مین حضرت شبلی نے ایسی حیرت انگیز گفتگو کی کہ عش عش کر گئے ۳۲۴ھ مین سفر آخرت کیا۔[۵]

ابو علی ثقفی حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر اور آپ کے ہم پایہ شائخ زمانہ مین شمار کیے جاتے تھے - ان کا قیام خراسان کے مستقر شہر نیشاپور مین تھا حضرت شبلی نے اپنے ایک شاگرد کو جاسوسون کی طرح خفیہ بھیج کے ان کے ایک سال کے حالات و کیفیات و نیز ان کے کلمات و مواعظ منگوائے تھے - اور پھر ان کو ملاحظہ فرما کے رائے دی تھی کہ اس شخص کی صبح کی باتین تو علم حقائق مین معجزات ہین مگر رات کا کلام ردی اور فاسد ہے - اور پھر اس کے سبب کا بھی پتہ لگا لیا تھا - شیخ ابو علی نے ۹۰ برس

---

[۵] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۱۰۳ -

کی عمر پائی۔ اور شب جمعہ ۲۰ جمادی الاول ۳۲۸ھ کو رہ نوردِ عالم بالا ہوئے[1]

جعفر خلدی حضرت جنید بغدادی کے اصحاب و تلامذہ میں شمار کیے جاتے۔ حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر مشائخ میں تھے۔ شبلی کی زبان سے اکثر ان کی ثنا و صفت سنی جاتی کیونکہ وہ ان کے کمال باطنی کے نہایت ہی معترف تھے۔ بندار بن حسین اُس عہد کے صاحب باطن مشائخ میں تھے ان کو خود ابوبکر شبلی سے افضل اور زیادہ عالی قدر بتایا کرتے۔ ۳۵۳ھ میں دنیائے دنی کو چھوڑ کے عالم باقی اختیار کیا۔[2]

ابوالحسن بن احمد بن سہل بوشنجی بعض کتابوں میں بوشنجی کی جگہ قشیری ہے۔ حضرت شبلی کے معاصرین و اقران میں تھے۔ اور عقیدت کیشوں کی ایک بڑی جماعت اُن کے فیضِ صحبت سے برکت حاصل کیا کرتی تھی۔ خراسان کے ایک جوانِ حقیقت جوان تھے۔ ابو عثمان سے ملے۔ عراق میں جا کے عطا جریری سے فیض حاصل کیا۔ شام میں جا کے طاہر مقدسی اور ابو عمرو دمشقی کے ایسے علمائے باطن کی صحبت میں شریک ہوئے بعض مسائل تصوف میں انھیں حضرت شبلی سے اختلاف تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ۳۴۸ھ میں دنیا کو رخصت کیا۔[3]

ابوبکر عبداللہ بن طاہر ابہری حضرت شبلی کے معاصر اور اقران میں تھے۔ بڑے پائے کے لوگوں میں تھے۔ یوسف بن حسین رازی اور ابو محمد قریشی کی سراپا فیض صحبتوں سے برکت حاصل کی تھی۔ ۳۳۰ھ میں رہ نوردِ عالم بالا ہوئے۔[4]

ابوبکر یزدانیار ارموی حضرت ابوبکر شبلی کے ہم پایہ معاصروں اور مستند مشائخ عصر

---

[1] طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ص ۱۷۲۔ [2] نفحات الانس ۔ ۲۲۵۔ [3] طبقات الکبری ۔ ۱۳۲۔

[4] طبقات الکبری ۔ ۱۳۲۔

مین تھے تصوف مین وہ ایک جداگانہ اور خاص طریقے پہ چلتے تھے۔ اِن کو عام مشائخ عراق اور خاصۃً حضرت ابوبکر شبلی سے بعض امور مین اختلاف تھا جس کی وجہ سے مشائخ عراق اُن کے خلاف ہو گئے تھے۔

ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم مالک۔ بندار کے شاگرد اور مرید تھے۔ مگر شبلی کی زیارت سے شرفیاب ہوئے تھے۔ چھ اوپر سو برس کی عمر پائی۔[ع] مگر یہ نہین معلوم ہو سکا کہ کس سال انتقال ہوا۔

دوسری قسم کے لوگون مین سب سے پہلے ہم آپ کے فرزند کا نام لیتے ہین۔ اور اُن کے بعد دیگر بزرگون کی طرف توجہ کرین گے۔ جن کا سلسلہ حسب ذیل ہے۔

یونس بن ابی بکر شبلی۔ یہ حضرت شیخ شبلی کے صاحبزادے تھے۔ جن سے آپ کی یہ خلوت کی کیفیت ہمین معلوم ہوئی کہ رات بھر کوٹھے پر کھڑے رہے۔ اور صبح کو شکایت کی کہ سوا ایک مرغ کے رات کو مجھے کوئی اللہ کا یاد کرنے والا نہ نظر آیا۔[ع] یونس کے حالات ہمین اور کہین نہین مل سکے۔ لہذا نہ ہم آپ کا کوئی واقعہ بیان کر سکتے ہین۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہین کہ آپ کا کس سنہ مین انتقال ہوا۔

ابوبکر طمستانی۔ ان کا اصلی وطن ارض فارس تھی۔ ابراہیم دباغ شیرازی اور جناب شیخ شبلی کی صحبتون سے فائدہ اُٹھا کے اس اعلیٰ مرتبہ کمال پر پہونچ گئے کہ بلند پایہ مشائخ زمانہ مین شمار کیے جاتے اور خود حضرت شبلی عزت کرتے تھے۔ سنہ ۳۴۰ھ مین سفر آخرت کیا۔[لع]

ع نفحات الانس۔ ۱۷۰۔ ع نفحات الانس۔ ۲۲۹۔ سہ۔ تلبیس ابلیس۔

لع نفحات الانس۔ ۱۰۴۔

حسین بن محمود بن موسیٰ آملی۔ اعلیٰ درجے کے مشائخ میں تھے حضرت شبلی کو دیکھا تھا اور آپ کے دیدار سے برکت حاصل کی تھی۔ سنہ [illegible]ھ کے بعد جادہ پیمائے آخرت ہوئے۔

جعفر بن محمد بن نصیر بگران خلدی خواص وغیرہ [illegible] رہتا تھا۔ مگر بغداد میں رہ کے حضرت شبلی کی خدمت کرتے اور اُن کی صحبت سے فیض اُٹھاتے تھے۔ شبلی کے آخر عہد میں اُن سے اِس قدر تعلقات بڑھے ہوئے تھے کہ مرض موت میں زیادہ تر خدمات یہی بجا لائے۔ اِنھیں نے اُنھیں آخری وضو کرایا۔ اور اُس اثنا میں زبان بند ہو گئی تو شبلی نے اِن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے ڈاڑھی کا مسح کر لیا۔ اُنھیں پر اُنھوں نے یہ راز بھی ظاہر کیا تھا کہ [illegible] ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی ہے اُس کے عوض ہزاروں درہم دے چکا ہوں مگر اُس کا بار دل پر سے نہیں ہٹتا۔ اور اُن کے جنازے پر اِنھیں سے [illegible] کا [illegible] آئی ہے۔ اُس مبارک جسم سے روح پرواز [illegible] ہو گئی مگر ان کا [illegible] روایت ہے [illegible] ثابت ہوتا ہے۔ اِنھوں نے دو ہزار مشائخ کے دیدار فیض سے برکت حاصل کی تھی۔ اور سنہ ۳۴۸ھ میں آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔

ابو الحسن بندار بن حسین بن محمد بن مہلب شیرازی۔ اصول دین کے عالم اور محدث تھے۔ اور شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ یوں تو حضرت شبلی کے [illegible] انھی سے ہزارہا آدمیوں نے فیض پایا ہو گا۔ مگر ان کو اُن سب میں ایسا امتیاز حاصل تھا کہ خود مرشد یعنی حضرت شبلی اپنے اِس مرید سے حقیقت [illegible] کی [illegible] کیا کرتے تھے۔ ابو عبداللہ خفیف جو ایک بڑے عالی مرتبہ صوفی گزرے ہیں

[illegible] ص ۲۰۰ [illegible] طبقات الکبریٰ ۱۲۳ [illegible] رسالۂ قشیریہ ۱۸۱ [illegible] نفحات الانس ص ۲۱۳

وہ انہیں کے مرید تھے۔ علوم ظاہر اور خاصۃً علم کلام میں ان کے تبحر کا اس سے اندازہ لیا جا سکتا ہے کہ امام المتکلمین رئیس الاشعرین حضرت شیخ ابوالحسن اشعری کے شاگرد تھے۔ شیخ ابوالحسن اشعری کو جو شہرت و ناموری حاصل ہے محتاج بیان نہیں۔ آپ ان کی خدمت میں حیثیت شاگرد نہیں بلکہ خادم کی طرح رہتے تھے۔ پھر کمال روحانی حاصل کرنے کے لیے حضرت شبلی کی طرف رجوع کیا۔ اور آپ کی سراپا فیض صحبت سے شرف یاب ہوئے۔ یہ بھی ان چند خوش نصیب عقیدت کیشوں میں تھے جن کی حضرت شبلی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور بے شک یہ بزرگ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ شیخ ابوالحسن اشعری کے مخصوصین میں تھے۔ ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔[1]

ابو سہل محمد بن سلیمان بن ہارون بن عیسیٰ بن ابراہیم بن بشر حنفی صعلوکی ائمہ تصوف میں شمار ہیں۔ ابو علی ثقفی وغیرہ سے فیض روحانی حاصل کیا تھا۔ حضرت ابوبکر شبلی سے بہت زیادہ فیض یاب ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اپنے زمانۂ قیام بغداد میں میرا کوئی ہفتہ حضرت شبلی کی خدمت میں حاضر ہونے سے خالی نہ جاتا تھا۔ کبھی میں کچھ پوچھتا اور کبھی خالی بیٹھ کے چلا آتا۔ ایک دن شیخ شبلی ابو اسحٰق مروزی سے ملنے کو گئے۔ اتفاقاً وہاں میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر ان سے کہا کیا یہ مجنون تمہارے لوگوں میں ہے؟ ہرگز نہیں یہ تو ہمارے لوگوں میں ہے۔" ابو سہیل کا علم و فضل اس قدر مسلّم تھا کہ دوست دشمن سب مانتے اور تعظیم کرتے تھے۔ بعد جا کے نیشاپور میں سکونت اختیار کی جہاں منگل کے دن ۱۵۔ ذی قعدہ ۳۶۹ھ کو آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔[2]

۱؎ نفحات الانس، ۲۱۵۔ ۲؎ طبقات الشافعیہ السبکی جلد دوم ۱۹۰۔

۱؎ نفحات الانس ۔۲۱۵۔ ۲؎ طبقات الشافعیہ للسبکی جلد دوم ۱۶۲۔ ۳؎ نفحات الانس ۲۸۷۔

ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرآبادی خراسان کے محترم شیوخ مین تھے۔ شیخ ابوبکر شبلی اور نیز ابوعلی رودباری اور مرتعش کے۔ ایسے صاحب کمال صوفیہ اور علمائے الٰہی کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت شبلی کی وفات کے بتیس برس بعد ۳۶۶ھ مین وطن مالوف نیشاپور کو خیرباد کہہ کے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ہجرت کرکے وہین اقامت گزین ہوگئے۔[۱] انھین سید الطائفہ جنید بغدادی کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ جادہ پیمائے طریقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہر کے بھی مستند عالم تھے۔ علم حدیث مین خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کثرت سے روایت حدیث کیا کرتے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ علم حدیث مین اس قدر توغل تھا۔ اور عالی مرتبہ محدث تسلیم کیے جاتے تھے انھین سماع اور حال وقال کی صحبتون سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی بُنیاد پر اُن سے اور ابوعمرو بن نجید سے بحث ہوگئی۔[۳] جس کا ہم اس سے پیشتر تذکرہ کرچکے ہین۔ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور مین پیدا ہوئے۔ اور وہین نشوونما ہوا۔ اور ۳۶۷ھ مین خاص مکہ معظمہ مین وصال ہوا۔ مگر علامہ قشیری کی روایت زیادہ مستند ہے جو فرماتے ہین کہ ۳۶۹ھ مین وصال ہوا۔ اور اُسی مقدس زمین مین آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن حمدون الفراء۔ نفحات الانس مین مولانا جامی نے ان بزرگ کی کنیت بجائے ابوعبداللہ کے ابوبکر بتائی ہے۔ خراسان و نیشاپور کے عالی مرتبہ بزرگان دین اور مسلم الثبوت اولیاء اللہ مین تھے۔ ابوعلی ثقفی۔ عبداللہ بن منازل۔ ابوبکر بن طاہر۔ اور حضرت ابوبکر شبلی وغیرہ مقبول و مرجع عالم مشائخ کے چمنستان معرفت

---

[۱] رسالہ قشیریہ۔ ۳۰۹۔ [۲] عوارف المعارف ۹۰۔ [۳] نفحات الانس ۱۶۸۔ [۴] رسالہ قشیریہ۔ ۳۹

سے گلچینی کی تھی۔ اور اس رتبہ کو پہنچ گئے تھے کہ یکتائے عصر تصور کیے جاتے۔[ح]
سنہ [illegible] ھ میں دنیائے ناپائدار سے رخصت ہو کے رہ نوردِ عالمِ آخرت ہوئے۔[س]

ابو الحسن علی بن ابراہیم حصری۔ اِن کا خاندان بصرہ کا تھا۔ مگر بغداد میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ شبلی کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ اور انھیں کے ذریعے سے حضرت ابوبکر شبلی کا سلسلۂ فیض جاری ہوا۔ یہ جب پہلے پہل مرید ہوئے ہیں تو معمول تھا کہ ہر جمعہ کو جناب شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اور مرشد کی تاکید تھی کہ اس درمیان میں یعنی جمعہ سے جمعہ تک خدا کے سوا کسی اور کا خیال بھی تمھارے دل میں گزر جائے تو تمھیں میرے پاس آنا حرام ہے۔ آخر جب علوم باطن میں ترقی کی تو اس درجے کو پہنچ گئے کہ لوگ کہتے ہیں عجیب حالت تھی اور عجیب گفتگو اور سارے عراق کے شیخ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت شبلی سے اگرچہ ہزارہا خلقت فیض یاب ہوئی مگر اور سب کو صرف باتیں سننا نصیب ہوئی تھیں۔ انھیں خاص طور پر شاگردی کا خلعت عطا ہوا۔ شبلی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی وفورِ محبت سے فرمایا کرتے "جیسا میں دیوانہ ہوں ویسے ہی تم بھی ہو۔" یہی ان کے علم و فضل کے وارث ہوئے۔ اور اُن کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ فقہ حنبلیہ کے پیرو تھے۔ اور جمعہ کے دن ماہ ذی الحجہ سنہ ۳۷۱ھ میں سفرِ آخرت کیا۔[اللعہ]

ابو عبداللہ بن ابی ذُہل یہ ایک خراسان کے صاحبِ دل اور صاحبِ بزرگ تھے۔ کمالِ روحانی کے ساتھ عالم و فقیہ تھے اور روایتِ حدیث کیا کرتے تھے۔ برسوں تک حضرت شبلی کی خدمت کی۔ مگر ادب و تعظیم کا اس درجہ لحاظ تھا کہ اُنھوں نے اپنی زبان سے کبھی کوئی سوال

حسہ طبقات الکبریٰ - ۱۲۶ - اعہ نفحات الانس - ۱۰۵ - اسہ طبقات الکبریٰ ۱۲۵-۱۲۳ - اللعہ نفحات الانس - ۲۲۰

نہیں کیا۔ اور لوگوں کے پوچھنے پر حضرت شیخ جو جواب دیتے اسی سے بھی فیض و برکت حاصل کرتے۔ ریوات نے بہت سامان بھی حضرت شبلی کی نذر کیا تھا جس کی وجہ سے شیخ شبلی ان کو "جواد خراسان" کہا کرتے تھے۔ یہ سمجھا کہ آنے پر جو عرض ہوتا ہے اس کا شافی جواب جو کسی کے پوچھنے پر حضرت شبلی کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوا نقادہ ہیں انھیں کی عنایت و روایت سے معلوم ہوا۔ ۱۳۴۱ھ[1] کو ابو عبداللہ بن ابی ذہل نے سفر آخرت کیا۔

ابوالحسین محمد بن احمد بن اسمٰعیل بن سمعون جو عموماً "ابن سمعون" کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت ابوبکر شبلی کے زمانے میں ان کا بچپن تھا۔ ایک دن ایک ترچھی کج کلاہ بانکی ٹوپی پہنے ہوئے بغداد کی جامع مسجد میں گئے۔ حضرت شبلی اپنے معتقدین کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ پاس سے ہوکے گزرے اور بانکے شیخ کو سلام نہ کیا۔ شبلی نے ان کی پشت دیکھ کے اپنے خادم ابوبکر اصفہانی سے فرمایا "اس لڑکے کی ہو کے اندر تو خدا کے کیسے کیسے ذخیرے جمع ہیں"۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ان کا علم و فضل اس درجے کو پہونچ گیا کہ "الناطق بالحکمۃ" کے محترم لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۳۸۷ھ میں سفر آخرت کیا۔[2]

وزیر علی بن عیسیٰ۔ المقتدر باللہ عباسی نے اس قابل و نیک مشرب شخص کو ۱۳۰۱ھ میں دستور بغداد کے خلعت وزارت سے سرفراز کیا تھا۔ مگر چند ہی روز بعد ۱۳۰۴ھ میں جب اس نئی خلافت کا رنگ بگڑا دیکھا تو استعفا دے دیا۔ کیونکہ اول تو پہلے ہی خلیفہ کے خادموں اور حرم کی عورتوں خاصۃً امیرالمومنین کی والدۂ محترمہ کے

---

[1] نفحات الانس ۳۱۰۔ [2] طبقات الشافعیہ جلد دوم۔ ۱۶۶ [3] نفحات الانس۔ ۲۲۱۔

مصارف حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اُس پر طرہ ہوا کہ فوج انبار سے واپس آئی تو اس کی سالانہ تنخواہ میں دو لاکھ چالیس ہزار اشرفیوں کی رقم اور اضافہ کر دی گئی۔ خلیفہ کی اس ناعاقبت اندیشی پر وزیر علی بن عیسیٰ نے استعفا دیا تو خلیفۃ المقتدر باللہ نے کہا میں تو آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پھر آپ کیوں علیحدہ ہوئے جاتے ہیں۔ علی بن عیسیٰ نے اپنی ضعیفی و ناتوانی کا عذر کر کے بہت اصرار کیا تو استعفا منظور ہوا اور خدمت سے الگ ہوتے ہی وہ اور اس کا بھائی عبدالرحمن بن علی گرفتار کر لیے گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ کی نیک نفسی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر شبلی کی بیماری کا حال سنا تو خاص شاہی طبیب کو جو عیسائی تھا بحکم خلافت اُن کے علاج پر مامور کیا اور وہ اُن کی تلقین سے مسلمان ہو گیا جیسا کہ بیان ہو چکا۔

ابوالحسن مثنّی حضرت شبلی کی صحبت فیض سے شرف یاب ہوئے تھے۔ اور بعد کے زمانے میں لوگ ان کی زبان سے شبلی کے حالات سنا کرتے تھے چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ان سے سنا کرتے۔ اور کسی نقیب کے یاد دلانے پر شبلی کے حالات سننے کے مشتاق ہوئے۔ انھوں نے بے ادبی خیال کر کے پہلے تو جناب رسالت مآب صلعم کا ایک واقعہ بیان کیا اور اس کے بعد حضرت شبلی کا یہ واقعہ [illegible] کیا کہ کسی نے اُن سے وصل کی حقیقت دریافت کی [illegible] کی کہ سب سامعین کو بیتاب کر دیا اور خود بھی غش کھا کے گر پڑے۔[1]

ابوالعباس دامغانی۔ ان بزرگ کے بھی زیادہ حالات [illegible] سکے۔ صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ حضرت شبلی نے ایک مرتبہ نصیحت کی [illegible]

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۵ و ۵۰ [2] روض الریاحین ۱۱۳-۱۱۴ [3] نفحات الانس ۲۹۰

اختیار کرو" لوگون کے درمیان سے اپنا نام مٹا دو - اور دیوار کی طرف منہ پھیر کے بیٹھ جاؤ - یہان تک کہ موت آ پہونچے" اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کسی نے اس نصیحت پر عمل کیا ہو (اور ہمین یقین ہے کہ ابو العباس دامغانی نے ضرور عمل کیا ہوگا) وہ کمالات روحانی مین کس درجے پر پہونچ گیا ہوگا۔

ابو عبد اللہ رازی ابتداءً حضرت شبلی کی صحبت سے فیض اٹھاتے تھے - پھر شہر نیشاپور مین جا کے اقامت گزین ہو گئے - یہی وہ بزرگ ہین جنھین ایک صاحب کی فیاضی سے ایک صوف کا کپڑا پہننے کو مل گیا تھا - اس کے بعد انھون نے حضرت ابو بکر شبلی کے سر پر ایک اچھی ٹوپی دیکھی - اور دل مین کہا "یہ ٹوپی میرے کپڑے کا جوڑ ہے - میرے پاس ہوتی تو کیا اچھا تھا" حضرت شبلی ان کے دل کی حالت پہچان گئے - اپنے ساتھ گھر لے گئے - اور وہان ان کا صوف کا کپڑا اور اپنی ٹوپی دونون کو ایک مین لپیٹ کے آگ مین رکھ دیا؎

استاد ابو علی دقاق - نامی گرامی صاحب دل تھے حضرت شبلی کے مرید ابو القاسم نصر آبادی کے شاگرد تھے - اور انھین کی بارگاہ معرفت کے فیض یافتون مین ان کا شمار ہے - چنانچہ خود فرماتے ہین کہ "مین نے علم تصوف کو نصر آبادی سے انھون نے شیخ ابو بکر شبلی سے انھون نے جنید بغدادی سے انھون نے سری سقطی سے - انھون نے معروف کرخی سے اور انھون نے داؤد طائی سے حاصل کیا جو تابعین یعنی صحابۂ رسول اللہ صلعم سے فیض اٹھانے والون مین تھے؎" انھین سے مروی ہے کہ شبلی شب بیداری کے لیے آنکھون مین نمک کا سرمہ لگایا کرتے تھے؎

؎ رسالۂ قشیریہ - ۶۷ - ؎ رسالۂ قشیریہ - ۱۳۹ - ؎ رسالۂ قشیریہ - ۵ - اللمع ؎ رسالۂ قشیریہ - ۱۴۲ -

عبدالرحمن خراسانی جن خراسانی لوگوں کو بغداد میں حضرت شبلی کی صحبت نصیب
ہوئی اور ان سے فیض پہونچا ان میں شیخ تھے انھیں کا بیان ہے کہ کسی نے حضرت
شبلی کے دروازے پر دستک دی ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل آئے اس نے ان کا
نام لے کے پوچھا وہ کہاں ہیں ؟ کہا وہ کافر خدا اس پر تو ذکر ہے (؟) ایک دفعہ
شبلی جوش میں آ کے خود ان سے پوچھ بیٹھے تھے کہ شبلی کے سوا کسی اور کو بھی اللہ کہتے
دیکھا ہے ؟ انھوں نے بے تکلفی سے کہا شبلی کو تو کبھی اللہ کہتے نہیں سنا۔ اس
جواب نے ایسا اثر کیا کہ شبلی غش کھا کے گر پڑے

شیخ احمد اسد آبادی حضرت شبلی کی صحبت کا فخر حاصل کیا تھا۔ اور خراسان کے
شیخ باطن تسلیم کیے جاتے تھے۔ ایک دن شبلی نے اپنے ہاتھ سے ان کی بشارت کھول دی
یعنی تعین کر دی تھیں۔ اس کو اپنے لیے اتنا بڑا سرمایہ برکت خیال کیا کہ پھر کسی کو
موچھوں میں ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ یہ ایک عجیب حیرت انگیز اور حد سے متجاوز (؟)
واقعہ ہے۔ مگر فقرا اور صاحب باطن لوگوں سے کبھی کبھی ایسی بے اعتدالیاں ہو
جایا کی ہیں۔ جو ان کے سچے جوش اور نیت خیر کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ پاک کی
کی درگاہ میں قابل معافی ہوں گی۔

ابو مقاتل احمد بن مقاتل عکی حضرت شبلی کی صحبت فیض سے اکثر برکت حاصل
کیا کرتے۔ انھیں نے ان کو دیکھنے سے بھوؤں کے بال اکھاڑتے دیکھ کے سوال کیا تھا
اور یہی ایک مرتبہ مسجد میں شبلی کے برابر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ امام نے آیہ کریمہ
وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ سن کے وہ بے اختیار ہو گئے اس سے

عہ نفحات الانس ۱۷۶ عہ نفحات الانس ۲۹۳ عہ رسالہ قشیریہ ۴۴ - ۲۱۲ -

زیادہ اِن بزرگ کے حالات نہین معلوم ہو سکے۔

ابوالحسین مروالروذی۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ اور بغداد مین صحبت شبلی سے فیض اٹھاتے تھے۔ اِنھین نے پوچھا تھا کہ "اکرم الاکرمین (سب فیاضوں سے بڑا فیاض) کون ہے؟" فرمایا "وہ جس نے کسی خطا پر ایک شخص کو معاف کر دیا تو پھر اُس گناہ کی وجہ سے کسی پر عذاب نہ کرے گا۔" [عہ]

ابوبکر صیدلانی۔ یہ بھی خاک فارس سے ظاہر ہوئے۔ اور عراق و بغداد مین آ کے حضرت شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ جناب شیخ شبلی ان کی بھی تعظیم و تکریم کیا کرتے۔ مگر آپ کے بعد واپس جا کے نیشاپور مین اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جہان انتقال کیا۔ اور آغوش لحد کے سپرد کیے گئے [عہ]

ابومحمد ہروی۔ حضرت شبلی کے انتقال کے وقت یہ اکثر حاضر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ شب وصال کو رات بھر موجود رہے۔ اور کہتے ہین کہ شبلی کا ساری رات یہ عالم تھا کہ بار بار دو شعر پڑھتے جو وفات کے حالات مین بیان کیے جائین گے۔

بُکیر دنیوری اپ کے مرید اور آپ کے خادم تھے۔ مرض موت مین آپ کے پاس حاضر تھے۔ اُنھین سے آپ کے انتقال کے چند حالات مروی ہین [للعہ] - اِن کا سنہ وفات ہمین نہین معلوم ہو سکا۔

ابوبکر اصفہانی۔ ان کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضرت ابوبکر شبلی کے خادم تھے اس کے سوا ان کا اور کچھ حال نہین معلوم ہو سکا۔

عہ نفحات الانس۔ ۲۶۰۔ عہ نفحات الانس۔ ۱۷۹۔ سہ رسالہ قشیریہ۔ ۱۷۹۔
للعہ روض الریاحین۔ ۱۹۰۔ و نفحات الانس۔ ۱۷۷۔ صہ نفحات الانس۔ ۲۲۱۔

فاطمہ نیشاپوریہ - یہ خاتون بھی حضرت شبلی کے فیض روحانی سے بہرہ یاب ہوئی تھی - اور غالباً آپ کی خادمہ تھی - جب حسین بن منصور حلاج کی نسبت علما نے قتل کا فتویٰ دیا ہے اور اُن کی نسبت لوگوں میں طرح طرح کے خیالات مشہور ہوئے ہیں تو حضرت ابوبکر شبلی سے اس خاتون کی معرفت ان سے چند سوالات کے جواب طلب کیے تھے - ؏

اِن بزرگوں کے علاوہ چند اور بزرگ نام بھی ہیں جن کے مختصر حالات بھی ہمیں نہیں معلوم ہوسکے مگر آپ کی صحبت فیض میں کہیں کہیں نظر آگئے ہیں - مناسب ہوگا کہ ان کے قابل قدر ناموں سے بھی ہم ناظرین کو محروم نہ رکھیں - لہذا ان کی مختصر فہرست بھی یہیں لکھے دیتے ہیں (۱) احمد بن محمد بن زید جنھیں آپ نے عارف کی بتائی تھی - (۲) محمد بن محمد بن عبدالوہاب جن کے سامنے آپ نے فرمایا کہ معرفت کیا چیز ہے - (۳) منصور بن عبداللہ جن کو آپ سے معلوم ہوا کہ شان محبت کیا ہے (۴) ابوعلی مغازلی جنھوں نے اپنے اوپر آیات قرآنی کے اثروں کو حضرت شبلی کے سامنے بیان کر کے جواب شافی پایا - (۵) عبداللہ بن علی جن سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ سماع نے شبلی پر کیا اثر کیا تھا - (۶) ابوعمران جو علماے زمانہ میں تھے - شبلی کے حلقہ فیض کے برابر جامع بغداد میں بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے - اور جو ایک مسئلہ فقہی میں حضرت شبلی کی تحقیقات سُن کے حیران ہوگئے تھے - (۷) ابوبکر رازی جن سے روایت ہے کہ شبلی نے علماے علم کو باعث فساد بھی خیال کیا - (۸) ابوالحسن تمیمی جنھوں نے ایکبار حضرت شبلی کو مستانہ وار چند اشعار پڑھتے سُنا - (۹) طاہر خثعمی ان سے بھی شبلی کی شعرخوانی

؏ لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن - جلد اول صفحہ ۴۳۴ -

مروی ہے۔ (۱۰) ابن بشار جو لوگون کو شبلی کی صحبت مین آنے سے روکتے تھے اور پھر ایک مرتبہ مل کے ایسے معتقد ہوئے کہ اس سے باز آ گئے (۱۱) حسین بن منصور حلاج جو خلفا کے حکم سے قتل ہوئے۔ اور جن کا مختصر حال حضرت جنید کی سیرۃ مین لکھا جا چکا ہے (۱۲) شیخ ابو زکریا رازی۔ (۱۳) شیخ ابو نصر تبانی (۱۴) حسین بن احمد اصفہانی جن کے ہاتھ مین دوات دیکھ کے شبلی نے فرمایا تھا کہ اپنی سیاہی چھپاؤ۔

ان کے سوا اور خدا جانے کتنے گراں پایہ معاصر و شیخ یا یاران صحبت ہون گے جن کے نام ہم نہیں جانتے مگر اس فہرست کے ختم پر ہم فاتحہ اور دعائے مغفرت مین انھین بھی شریک کر کے درگاہ رب العزت مین عرض کرتے ہین کہ اے خدا اپنے فضل و کرم سے تو اُن سب کی مغفرت کر۔ اور ہمین ان کے نقش قدم پہ چلا۔

وفات

مومن کی وفات کیا۔ ایک قیدی تھا جو قیدخانہ سے چھوٹا۔ اور اس کا وہ دنیا کے آلام و مصائب سے اُسے نجات مل گئی۔ خصوص اُس مومن پاک طینت کی وفات جو موتوا قبل ان تموتوا کے سچے اصول پر عمل کر کے اپنی ہستی پہلے ہی مٹا چکا ہو۔ اور توحید کی دھن مین فنا ہو کے ایسا مٹ گیا ہو کہ اُسے اپنی زندگی و موت کا امتیاز ہی نہ باقی رہا ہو۔ مگر لوگون کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ولی کامل اور مست جام الست کی موت کیسی ہوا کرتی ہے۔

شیخ ابوبکر شبلی کی موت جو ان کی نظر مین نہین صرف ہمارے خیال مین موت ہے نہایت ہی اطمینان و سکون کی موت تھی۔ وصال کا زمانہ قریب آیا تو بار بار

ان مبارک سے یہ کلمات نکل جاتے کہ بہت سے مقامات ہیں کہ اگر وہاں میں مرون لوگوں کے لیے ایک عذاب و مصیبت ہو جاؤں جس دن سفر آخرت کو ہو آپ نے پہلی شب کو ساری رات بار بار یہ شعر زبان سے نکل جاتا تھا۔

حجتی المامول حجتہ یوم تاتی الناس بالحجج

ترجمہ: تو جس کا سہارا ہو اس روز ہماری حجت ہو گا جس دن سب لوگ اپنی حجتیں لے کر حاضر ہوں گے

ابوبکر آپ کے باصفا عقیدت کیشوں میں تھے فرماتے ہیں کہ اس ... ان کے پاس ... دو شعر پڑھتے سنتا تھا جن میں دوسرا ... تھا کہ

بیت انت ساکنہ غیر محتاج الی السرج

ترجمہ: جس گھر میں تو رہتا ہو اسے چراغ کی ضرورت نہیں یعنی تیرا رخ روشن چراغ کا کام دیتا ہے۔

اس موقع پر آپ کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی جو آپ کے روحانی کمالات کے دیکھتے ہوئے حیرت خیز نہیں۔ آپ کے خادم اور مرید ثابت کہتے ہیں حضرت ابوبکر شبلی مرض موت میں مبتلا تھے کہ اتفاقاً جمعہ کا روز آیا۔ اور مرض میں کوئی تخفیف نظر آئی۔ بچھونے سے اٹھے۔ اور دینداری کے جوش نے اتنی طاقت پیدا کر دی کہ مجھ پر سہارا دے کے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔ کتب فروشوں کے بازار تک پہونچے تھے کہ ایک تازہ وارد شخص راستے میں ملا

عہ رسالۂ قشیریہ ۔ ۲۴۴ عہ تذکرۃ الاولیا ۲۰۷ عہ رسالۂ قشیریہ ۱۷۹

جو مسافر سے آیا ہوا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا "کل مجھے اِس شخص سے ایک سابقہ پڑے گا" مین نے اس بات کا کوئی خیال بھی نہین کیا۔ اور انھین جامع مسجد مین لے جا کے نماز پڑہائی۔ پھر گھر مین لایا۔ خدا کی قدرت اُسی رات کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اور کسی اچھے غسل دینے والے کی تلاش ہوئی لوگون نے کہا کہ بہشتیون کے محلہ مین ایک نیک نفس و پرہیز گار شخص ہے جو غسل میت دیا کرتا ہے۔ مین فوراً اُس کے لانے کو روانہ ہوا۔ اور لوگون نے مجھے اُس دروازہ پہ لیجا کے کھڑا کر دیا۔ مین نے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی۔ بہ آواز بلند کہا "السلام علیکم" فوراً اندر سے یہ آواز آئی "کیا شبلی کا انتقال ہو گیا" مین نے کہا "ہان" یہ جواب سنتے ہی وہ باہر نکل آیا اب جو صورت دیکھتا ہون تو وہی شخص ہے جس کی طرف کل حضرت شیخ نے اشارہ کیا تھا دیکھتے ہی میرے دل پر کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ بے اختیار مُنہ سے نکلا "لا الہ الا اللہ" اُس نے بھی کہا "لا الہ الا اللہ" پھر پوچھا "آپ کو حیرت کس بات پر ہے؟" مین نے کل کی ساری سرگذشت بیان کی اور پوچھا "آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کیونکر معلوم ہو گئی؟" اُس نے کہا "عجب احمق ہو۔ آخر شبلی کو آج کے سابقے کی کیونکر اطلاع ہو گئی تھی؟"[ع۵]

جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی اور وصال کی گھڑی سر پر آ گئی تو آپ کی بیقراری بڑھی۔ وہ فنائیت جو مخلوقیت کی طرف آنے ہی نہ دیتی تھی ذرا کم ہوئی۔ کیونکہ ضرور تھا کہ آپ کو جام مرگ پلایا جائے اور اُس کے مزے کو آپ چکھین۔ اِس حالت مین آپ کو اپنی انسانیت اور معاصی کا خیال آیا۔ فرمایا "وہ ہوائین چل رہی ہین

ع۵ عوارف المعارف ۱۹۰

ایک لطف اور دوسری قہر کی۔ جس پر لطف کا جھونکا چل گیا وہ مقصود تک پہونچ گیا۔ اور جس پر قہر کی ہوا چلی حجاب مین گرفتار ہوگیا۔ دیکھیے اب وقت ہوائے لطف آتی ہے یا ہوائے قہر۔ اگر ہوائے لطف کا جھونکا آیا تو اس کی امید میں ہر طرح کی سختیان اور ساری نامرادیان برداشت کرسکتا ہون۔ لیکن اگر کہین ہوائے قہر چل گئی تو گیا گذرا ہوا۔ اس کی آفت کے سامنے کسی سختی اور بلا کی ہستی کیا ہین۔[ع]

آپ نزع کا عالم طاری تھا۔ لوگون نے کہا "کہیے لا الہ الا اللہ" جواب مین ایک نظم پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ "سلطان محبت رشوت نہین قبول کرتا"[عہ] لیکن باوجود اس محویت اور دریائے توحید مین غرق ہونے کے دینداری کی حس اس قدر صحیح تھی کہ آپ نے ان کی طرف دیکھ کے فرمایا "ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی ہے اس کے لیے ہزارون درہم خرچ کرچکا ہون۔ مگر دل پر سے اس کا بار نہین ہٹتا۔"[عہ]

چونکہ سب کو آپ کے انتقال کا یقین ہوگیا تھا اس لیے بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے کہ تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ مین شریک ہون۔ اس امر کو آپ سمجھ گیے اور ان لوگون کو دیکھ کے فرمایا "عبرت کی بات ہے کہ مردون کی جماعت زندے کی نماز پڑھنے کو آئی ہے"[عہ] حقیقت شناسون کے یہ دنیوی زندگی موت ہے اور اس عالم کی ابدی زندگی حیات۔ یہ یقین آخری سانس تک آپ کے دل مین تھا۔ اور واقعی اس جملہ کا حاضرین پر اثر پڑا ہوگا۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ خدا کے پاس جانے اور دربار رب العزت مین حاضر ہونے کا وقت آگیا۔ جعفر بن نصیر بکران دینوری کی طرف دیکھ کے فرمایا "مجھے وضو کرا دو۔"

[ع] تذکرۃ الاولیا ۲۰۶، ۲۰۷ [عہ] رسالہ قشیریہ ۱۰۳ [عہ] عوارف المعارف ۹۰ [عہ] تذکرۃ الاولیا

انھون نے فوراً تعمیل ارشاد کی مگر ڈاڑھی مین خلال کرنا بھول گئے لیکن اتنی دیر مین آپ کی زبان بند ہو چکی تھی۔ جعفر کا ہاتھ پکڑ کے خود ہی خلال کرا لیا۔ آپ جو دیکھا تو بالکل ہی آخری وقت تھا۔ جعفر بے اختیار رونے لگے اور ایک آہ کے ساتھ کہا اُس شخص کا کیا کہنا جس نے مرتے دم تک آداب شریعت مین سے ایک چیز بھی نہین چھوڑی۔ؑ

آپ اس وقت کلمۂ توحید کی تلقین کرنی چاہی اور عرض کیا کہ "کہئے لا الٰہ" زبان نے اتنی یاری دی کر فرمایا جب غیر ہی نہین تو نفی کس کی کرون؟" لوگون نے عرض کیا "حکم شریعت یو نہین ہے۔ آپ کلمہ پڑھین" پھر وہی پہلا جواب دیا کہ "سلطان محبت کہتا ہے مین رشوت نہ قبول کرون گا" اس وقت کسی شخص نے زیادہ بلند آواز سے کہا کہیے "لا الٰہ الا اللہ" بولے "ایک مردہ زندہ کو تلقین کرنے آیا ہے" ایک ذرا خموشی رہی۔ اور ایک گھڑی بعد لوگون نے پوچھا "اب مزاج کیسا ہے؟" فرمایا "محبوب سے جا ملا" اور اسی فقرے پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ؑ اِنّا لِلّٰہِ واِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۳۳۴؁ھ مین برس پورا ہونے کے ساتھ ہی آپ کی عمر بھی پوری ہو گئی۔ ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے کو دو ہی دن باقی تھے کہ جمعہ کا دن آ گیا۔ اس سال کے اندر اب دوسرا جمعہ ملنے کی امید نہ تھی لہذا آپ نے جمعہ کی نماز جامع مسجد مین ادا فرمائی اپنی میت ہلا نیوالی کیصورت دکھائی۔ اور دن کے ختم ہوتے ہی دنیاے بے بقاو فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپنے بمقابل اپنے مرشد جنید بغدادی اور دیگر مشائخ زمانہ کے بہت

ع رسالۂ قشیریہ۔ ۱۸۱ ع تذکرۃ الاولیا۔ ۱۰۰

زیادہ عمر پائی۔ کیونکہ ۷۰ برس سے جیئے۔ اور بغداد کے مقبرۂ خیزران میں دفن ہوئے۔ لوح تربت پر آپ کا نام جعفر بن یونس کندہ تھا۔ مگر اکثر علماء سیرۃ نے آپ کا نام دلف بن جحدر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نام ہوں۔ جیسا کہ ہم تمہید میں بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے مزار کی نسبت ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ فی الحال کس حالت میں ہے۔ اور آج کل بغداد میں قبرستان خیزران کا بھی پتہ ہے یا نہیں لیکن عہد الایام میں مدت دراز تک پتہ لگتا ہے کہ لوگ زیارت کو جاتے اور روحانی فیض و برکت حاصل کرتے تھے۔[سے]

اکثر بزرگان دین اور اہل طریقت نے آپ کے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی وہی شان جوش و خروش اور ذوق و شوق کے جذبات نظر آئے۔ چنانچہ ایک شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی تو اس نے پوچھا "آپ نے آخرت کے بازار کو کیسا پایا؟" فرمایا "بالکل بے رونق۔ سوا جلے ہوئے کلیجوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے کچھ نہیں نظر آتا۔ وجہ یہ کہ یہاں تو جلے کلیجوں پر مرہم رکھا جاتا ہے۔ اور شکستہ دل جوڑے جاتے ہیں۔ بس اس کے سوا یہاں والوں کا اور کوئی کام ہی نہیں۔"[للعہ]

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا "منکر و نکیر سے کیونکر بنٹی؟" بولے "انھوں نے پوچھا تیرا خدا کون ہے؟ میں نے کہا وہ جس کے حکم سے تم نے اور تمام فرشتوں نے میرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا میں انھیں آدم کے

سے ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۲۵۔ عسہ نفحات الانس۔ ۱۰۴۔ سہ طبقات الکبری ۱۳۲

للعہ تذکرۃ الاولیا۔ ۲۰۸۔

صُلب مین تھا اور تمھین دیکھ رہا تھا۔ یہ جواب سُن کے وہ بولے اِس نے تو ساری نسل آدم کی طرف سے جواب دے دیا۱"

کسی اور نے دیکھا تھا۔ پوچھا "اللہ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

فرمایا اس نے ایسی پوچھ گچھ کی کہ مین مایوس ہوگیا تھا۔ اور مجھے کوئی امیدِ نجات نہین نظر آتی تھی۔ لیکن آخر کو جب میری یاس دیکھی تو اپنے آغوش رحمت مین لے لیا۲"

اسی طرح ایک اور صاحب نے آپ کو خواب مین دیکھ کے یہی سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بولے باوجود اُن تمام دعوون کے جو مجھ سے ظاہر ہوا کرتے تھے اُس نے کسی بات کا مطالبہ و محاسبہ نہین کیا۔ لیکن ایک روز مین کہہ بیٹھا تھا اِس سے بڑھ کے کوئی نقصان نہ ہوگا کہ تو بہشت سے باز رہے اور دوزخ مین جائے۔ میرے اِس فقرے پر عتاب کیا۔ اور ارشاد فرمایا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگ میرے دیدار سے محروم رہین اور محجوب ہون۳"

آپ ٢٤٧ھ مین پیدا ہوئے تھے جس سال کہ خلفاے عباسیہ مین سے المتوکل علی اللہ مارا گیا اور المنتصر نے سریر خلافت پر قدم رکھا۔ اور وفات ٣٣٤ھ مین ہوئی جس سال کہ المستکفی باللہ سریر خلافت سے اتارا گیا۔ اور المطیع للہ نے تاجِ خلافت پہنا۔ اِس ستاسی برسون مین خلافت نے بڑے بڑے پلٹے کھائے تھے۔ آلِ عباس کے بارہ ہاشمی خلیفہ تخت پر بیٹھے اور اُترے بخصوص آپ کی ولادت کے زمانے مین ایسی سُرعت سے تغیر ہو رہے تھے کہ جب تک آپ نو برس کے ہوئے ہون چار خلیفہ تخت سے جُدا کیے جا چکے تھے

١ تذکرۃ الاولیا۔ ٢٠٧ ٢ رسالہ قشیریہ۔ ٢٢٤۔ ٣ تذکرۃ الاولیا۔ ٢٠٨۔

اس کے بعد تخت و تاج خلافت کو ذرا استقلال حاصل ہوا تھا۔ مگر آپ سے آخر زمانے مین یعنی ۳۳۳ھ اور ۳۳۴ھ مین دو عباسی تاجدار تخت سے اتارے اور کمال بے رحمی سے اندھے کیے گئے۔ اول الذکر سال مین تو یہ ہوا کہ خلیفہ المتقی للہ کشتیون پر سوار ہو کے رقہ سے بغداد آ رہا تھا۔ سندیہ نام ایک مقام مین ٹھہر گیا اور ترکون کا امیر اعظم توزون جسے المتقی نے امیر الامرائی کا خلعت پہنایا تھا تجارت کے بہانے سندیہ مین آ کے اس سے ملا۔ حبان علم نام ایک عورت کی سازش سے اس نے خلیفہ کی آنکھون مین سلائی پھیر دی۔ اور اسے اندھا بنا کے المستکفی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

توزون تو دوسرے سال یعنی ۳۳۴ھ کے شروع ہی مین مر گیا۔ لیکن اب بغداد پر معز الدولہ بن بویہ کا عمل دخل تھا جس کے آتے ہی مارے ڈر کے خود خلیفہ المستکفی چھپتا پھرتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ وحشت کم ہوئی۔ خلیفہ معز الدولہ سے ملا بیعت لی۔ اور اسے دوست بنا لیا۔ مگر اہل بغداد پر سب سے بڑی یہ آفت نازل تھی کہ خود معز الدولہ تو خلیفہ کا مہمان ناخواندہ بنا ہوا تھا۔ اور اس کے لشکری جبراً و قہراً رعایا بغداد کے مہمان بنائے گئے تھے جس آفت سے بغداد والون کو کبھی سابقہ نہین پڑا تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے مین اسی عورت علم نے جو اب المستکفی کی نفس ناطقہ اور دربار پر چھائی ہوئی تھی ایوان خلافت مین دیلمیون اور ترکون کی ایک دعوت کی۔ اس سے معز الدولہ کو یہ بدگمانی ہوئی کہ علم فوج والون کو میرے خلاف ابھارنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد المستکفی نے استمالت کے لیے معز الدولہ کو خود ہی بلا بھیجا۔ ۲۲۔ جمادی الآخر کو وہ ایوان خلافت مین آ کے شان و تمکنت سے بیٹھا۔ حاکم خراسان

کاسپیر بھی حاضر دربار تھا کہ یکایک دو دیلمی نقیب غل مچاتے ہوے آئے اور خلیفہ کے ہاتھ کی طرف بڑھے۔ المستکفی سمجھا کہ دست بوسی چاہتے ہین۔ آپ ہی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور اُنھون نے بجاے دست بوسی کے خلیفہ کو ہاتھ پکڑ کے تخت سے کھینچ کے نیچے گرا لیا۔ پھر اُسی کے عمامہ سے اُسکی گردن باندھی۔ اور معز الدولہ کے گھر مین پکڑ لے گئے۔ ساتھ ہی ایوان خلافت اِس طرح لوٹا گیا کہ کوئی ادنیٰ چیز بھی نہین باقی رہی۔ ابو احمد شیرازی جو المستکفی کا کاتب تھا وہ بھی قید کر لیا گیا۔ عَلَم کی جو محل خانہ کی داروغہ تھی زبان کاٹ لی گئی۔ اور المطیع للہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے غریب المستکفی اُس کے حوالے کر دیا گیا جس نے سنگدلی سے اُس بیچارے کی آنکھین نکلوا کے اندھا کر دیا۔[۱]

یہ واقعات ہنگامہ مصیبتین اور آفتین تھین جنھین حضرت شبلی نے وفات سے پہلے دیکھا تھا۔ مگر اُن کی لَو تو خدا سے لگی ہوئی تھی ان معاملات کا اُن پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ اور شاید اُنھون نے خیال بھی نہ کیا ہو کہ بغداد مین کیا ہو رہا ہے۔

یہ سب سلطنت اور حکومت کی باتین تھین جن سے سوا معززین سلطنت کے رعایا کو کم دخل ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت شبلی کی وفات کا زمانہ سلطنت ہی نہین رعایا کے لیے بھی قیامت خیز اور سخت آفتون کا زمانہ تھا۔ کیونکہ بغداد مین ایسا سخت قحط پڑا جیسا کہ اور کبھی نہین دیکھا گیا تھا۔ غذا کی کمی سے یہ حالت ہوگئی کہ لوگ مُردار جانورون کو کھانے لگے۔ بہت سے لوگ

[۱] ابن اثیر جلد ۸۔ ۱۴۸۔

کتّون اور بلیوں کو پکڑکے کھاگئے بعض لوگ اس درجے تک عسرت روزگار میں آئے کہ خود اپنے بچّوں کو بھون کے کھاتے ہوئے پائے گئے۔جب اور کچھ نہ ملا تو لوگوں نے کانٹے کھانا شروع کیے جس کی وجہ سے امراض اور ورام کی شدت ہوئی۔اور ہر گلی کوچے میں موت کا بازار گرم ہوگیا۔حتیٰ کہ مُردوں کو دفن کرنا دشوار تھا۔لاشیں باہر پڑی سڑتیں اور کتّے اور جانور انھیں نوچ نوچ کے کھاتے۔ آخر بہت سے لوگ بغداد چھوڑ کے بصرے کی طرف چلے۔کہ شاید وہاں اس عذاب الٰہی سے چھٹکارا ہو۔مگر اُن میں سے اکثر تو راستے ہی میں مرگئے۔اور جو زندہ بچے وہ بصرے پہونچکے مرے۔جان بر کوئی نہ ہو سکا۔خلاصہ یہ کہ بغداد میں مکان اور جائدادیں ایک ایک ٹکیہ پر بک گئیں۔ؔ

معترفین کمال

باوجود اُن شدید ترین مخالفتوں بلکہ عداوتوں اور آزار رسانیوں کے جن کا ذکر ہوچکا ہے آپ کے کمالات باطنی کی خاص کرامت تھی کہ مخالفوں میں جس قدر جوش مخالفت بڑھتا اُس سے زیادہ زمانہ آپ کے موافق اور آپ کے فضل وکمال کا معترف ہوتا جاتا اور یہی وجہ تھی کہ ابن بشار اور ابوبکر مقری کے ایسے مستند اور مشہور زمانہ علما اختلاف واعتراض کرنے کے لیے آئے اور جب آپ کی تقریر سُنی تو اپنے شکوک وشبہات سے باز آکے حلقہ بگوش عقیدت ہوگئے جامع بغداد کے اندر جن محترم فاضل کے تلامذہ نے امتحان لینے کے طریقے

ؔ ابن اثیر جلد ۸-۱۵۳ و ۱۵۴-

سے فقہی مسئلہ پوچھا تھا وہی آپ کی وسیع معلومات اور آپ کا تبحر علمی دیکھ کے اس درجہ عش عش کر گئے کہ اُلٹے معذرت خواہ ہوئے۔ اور اقرار کر لیا کہ آپ کی تقریر سے ہمین وہ باتین معلوم ہو گئین جو ہمین معلوم نہ تھین۔

وہی سلطنت جس نے مشائخ صوفیہ کو مجرم قرار دیا تھا حضرت جنید بغدادی جس کے خوف سے بظاہر فقیہ اور باطن مین شیخ باطن بنے رہتے تھے جس نے نوری کو پابزنجیر کیا جس نے خود حضرت شبلی کے دوست حسین بن منصور کو نہایت عبرت ناک طریقے سے قتل کیا اُسی کی یہ حالت تھی کہ جب یہ بیمار ہوئے تو وزیر سلطنت عیادت کو آیا۔ اور شاہی طبیب کو خلیفہ سے باضابطہ اجازت حاصل کر کے آپ کے علاج کے واسطے مامور کیا۔

دیگر ممالک اور بلاد کے مشائخ آپ کے خلاف ہوئے تو عراق کے تمام مشائخ اور ذوق یابان معرفت آپ کے طرفدار اور اُن کی تردید پر آمادہ ہو گئے۔

وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے جذبات کو علانیہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اس اظہار مین سچائی اور راست بازی تھی۔ یہ صرف راستبازی ہی کی برکت تھی کہ جو مسائل آپ کی زبان سے اور آپ کی صحبت فیض مین سنے جاتے چاہے کیسے ہی نئے اور انوکھے ہون اور علمائے زمانہ کو اُن سے چاہے کیسی ہی وحشت ہوتی ہو مگر آپ کی زبان سے وہ ایسے صدق اور خلوص سے نکلتے تھے کہ اپنا معجزنما اثر کر دکھاتے۔ اور دشمن کو بھی اسیر دام عقیدت کر لیتے۔

اسلام کی اشاعت مین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کو خاص دخل تھا جس وقت تک آپ ایمان نہین لائے صحابہ کعبہ مین جا کے

علانیہ عبادت نہ کر سکتے۔ اور علی رؤس الاشہاد اعتراف توحید کی انھیں جرأت ہو سکتی تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے دین برحق کے قبول کرتے ہی فرمایا کہ جب کفار علانیہ کفر و شرک کے رسوم کو بجا لاتے ہیں تو ہم خدائے واحد ذو الجلال کی عبادت علانیہ کیوں نہ کریں۔ اور اسی وقت جا کے کعبہ میں نماز پڑھی۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی بنیاد پڑ گئی۔

یہی شان اصول معرفت کے اظہار اور رموز حقیقت کی تبلیغ میں جناب شیخ ابوبکر شبلی سے نمایاں ہوئی آپکے زمانے تک اصول تصوف کی تلقین خفیہ طور پر کی جاتی تھی سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اُن کے اخفا کی یہاں تک کوشش کرتے کہ دروازہ مقفل کرکے کنجی زانو کے نیچے رکھ لیتے تو زبان کھولتے۔ مگر حضرت شبلی نے شیخ و مرشد کے زمانے ہی سے اپنے خیالات و جذبات کو علانیہ ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بعد تو تصوف کو اس قدر ترقی دی اور اس کے مسائل مخفیہ کی اس قدر اشاعت کی کہ زمانے میں ہر طبقہ لوگ اس متبرک فن کے معترف ہونے لگے۔ اور آپکی دلیرانہ کوشش نے ہر جگہ بغداد میں ایسے حقیقت پیدا کر دیئے کہ سارے ممالک اسلام مئے وحدت کے خمخانے بن گئے۔ اور جہاں دیکھیے اسی روحانی شراب کا جام چل رہا تھا۔

چنانچہ بعض متقدمین نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصول تصوف کو پہلے حضرت ذو النون مصری نے بیان کیا جو امام دار الہجرت حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پھر حضرت جنید بغدادی نے اُنھیں ترقی دی۔ اور اُن کو مرتب و منضبط کیا۔ اور منبر پر بیٹھ کے اُن کی تبلیغ میں علانیہ آواز حضرت شیخ

ابوبکر شبلی نے بلند کی۔[۱]

آپ کی یہی خیر و برکت تھی جو روز بروز آپ کی مقبولیت اور قدر و منزلت کو بڑھاتی ہی رہی۔ چنانچہ لوگون مین علی العموم مشہور تھا کہ شہر بغداد مین (جو اُن دنون دُنیاے اسلام کا قلب تھا) بلحاظ تصوف تین عجائبات ہین۔ (۱) اشارات یعنی رموز کے بتانے مین شبلی۔ (۲) مکاشفات مین مرتعش۔ (۳) حکایات مین جعفر خلدی۔[۲]

یہ دونون بزرگ جو حضرت شبلی کے ساتھ عجائبات بغداد بتائے گئے ہین خود بھی حضرت شبلی کے کمال کے معترف تھے۔ شیخ شبلی کا نعرۂ مستانہ جس کا کئی بار ذکر آچکا ہے مشہور تھا۔ اور یہ دونون حضرات مرتعش اور خلدی نعرۂ شبلی کا لوہا مانے ہوے تھے۔ اور آپ کی تعریف مین رطب اللسان رہتے۔

چنانچہ مرتعش کا یہ قول تھا کہ عجائب بغداد تین ہین (۱) نعرۂ شبلی۔ (۲) نکتۂ مرتعش۔ یعنی خود میرے نکات و رموز۔ (۳) حکایات خلدی۔ اور خلدی بھی اُن کے اس دعوے کی تائید مین فرماتے۔ اور اپنے وسیع تجربے کو پیش کرکے کہتے کہ ”مین نے دو ہزار مشائخ دیکھے ہین۔ مگر عراق مین تین عجائبات جمع نظر آئے (۱) نعرۂ شبلی۔ (۲) نکتۂ مرتعش۔ اور (۳) حکایات میری“۔[۳]

ان دونون بزرگون نے اگرچہ حضرت شبلی کے نعرۂ مستانہ کو عجائبات بغداد و عراق مین بتایا ہے اور اس عام شہرت کی طرف نہین توجہ کی کہ ابوبکر شبلی کے

---

[۱] ایڈورڈ براؤن۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ جلد اول۔ ۴۹۰ [۲] طبقات الکبری للشعرانی۔ ۱۲۲ [۳] نفحات الانس۔ ۱۹۰ اللمعہ نفحات الانس۔ ۲۱۳۔

اشارات یعنی آپ کی رمز فہمی سب سے زیادہ عجیب چیز تھی۔ اُن کا نعرہ شبلی کا معروف ہونا بجا ہی کیونکہ یہ پُرجوش و پُرشور نعرہ اُن کے کانون مین گونج رہا ہوگا مگر آیات قرآنی کے معانی بتانے اور دیگر امور مین آپ جس ذہانت و طباعی سے غور کر کے نکات و حکم پیدا کیا کرتے تھے وہ ہمین آپ ہی کا حصہ نظر آتا ہی۔

فضل، مرشد شاعرانہ و شہرت ہونے کی وجہ سے آپ کے دیگر کمالات جذب و جوش کے دامن مین اس قدر چھپ گئے تھے کہ کوئی تعجب کی بات نہین اگر بعض معاصرین کی ان پر نظر نہ پڑی۔ اور واقعی آپ کا جوش و خروش غیرمعمولی اور شاعرانہ تھا۔ دُنیا کی ہر ہر بات سے عبرت حاصل کرتے۔ اور عبرت کے ساتھ ہی ایسا جوش پیدا ہوتا کہ اُس کے اظہار کے وقت لوگون کو بھی از خود رفتہ کر دیتے اور خود بھی بیہوش ہو کے گر پڑتے۔

چنانچہ آپ کے بعد شیخ خرقانی جو ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے صاحب کشف صوفی تھے اکثر کہا کرتے "ابوبکر شبلی ہی تھے جو مست جیے اور مست مرے۔ اس لیے اُنھون نے عالم مکاشفہ مین اُنھین اس وضع مین دیکھا کہ میرے سامنے ہوا مین رقص کر رہے ہین عہ"

اُنھین امور نے آپ کے بعد لوگون کا عام خیال آپ کی طرف اس قدر رجوع کر دیا تھا کہ بعض لوگون مین آپ کے حالات کی جستجو کا توغل بے انتہا بڑھ گیا تھا۔ بجائے اس کے کہ رسول اللہ صلعم کے حالات پوچھین علما سے شبلی کے حالات دریافت کرتے۔ چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ابوالحسن مثنی سے ملنے کو آئے تو بجائے

عہ نفحات الانس۔ ۲۳۹۔

اس کے کہ کوئی حدیث یا حضرت رسالت صلعم کا کچھ حال پوچھین کہنے لگے آپنے شیخ شبلی کو دیکھا ہے۔ اُن کا کوئی واقعہ بیان کیجیے"۔ ابوالحسن شنبی نے کہا شبلی کے حالات پوچھتے ہو اور رسول مقبول صلعم کے حالات نہین پوچھتے؟" ابوسعید نے کہا "رسول اللہ صلعم کا بھی کوئی واقعہ فرمائیے" تب اُنھون نے پہلے ایک حدیث نبوی بیان کی اور اس کے بعد شبلی کا وہ واقعہ بیان کیا جس مین ایک شخص نے "وصل" کے متعلق سوال کیا تھا۔ اور شبلی کو جواب مین پُراثر تقریر کرتے کرتے اس قدر جوش آیا کہ بیہوش ہو کے گر پڑے"۔

یہ تو آپ کے بعد کا قریب تر زمانہ تھا جب تک کہ آپکے دیکھنے والے موجود تھے۔ لیکن اُس کے بعد روز بروز لوگون کے دلون مین آپ کی عقیدت بڑھتی ہی گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ معرفت و حقیقت کے متعلق جو کتاب لکھی جاتی اُس مین آپکے اقوال و حِکَم سے فائدہ اُٹھایا جاتا۔ اور آپ کا نام اُسکی مقبولیت کا ایک بڑا ضروری عنصر ہوتا۔ اور پھر اِس کے بعد فارسی اور عربی کی ادبی کتابون مین بھی آپکے اخلاق و عادات اور آپ کے حکایات سے فائدہ اُٹھایا جانے لگا۔

چنانچہ بوستان مین تو آپ کا کمال ورع ظاہر کرنے والی ایک چھوٹی سی حکایت جو شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے تحریر فرمائی ہے اُسے ہم اِس سے پیشتر نقل کر چکے ہین۔ اس موقع پر ایک دو حکایت نقل کیے دیتے ہین جو دلچسپی سے خالی نہین ہے۔

عہ نفحات الانس۔ ۲۹۲ و ۲۹۳۔ مسہ یہ حکایت سفرون مین درج کرنے کے قابل تھی مگر ہماری نظر اِس پر اُس وقت پڑی جبکہ اس کتاب کا غالب حصہ مرتب ہو کے طبع ہو چکا تھا۔ اور یہ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ ہم ناظرین کو اس سے محروم رکھین۔ لہذا یہین درج کیے دیتے ہین۔ اور دوسرے ایڈیشن مین سفرون کے سلسلہ مین داخل کر دی جائے گی۔

کی دشواریان نہین معلوم؟" سُن کے اُس نے یہ شعر پڑھا۔

"دوست آوارگی ہمی خواہد   رفتنِ حج بہانہ اُفتادست"

مین نے کہا "اے نازپروردہ نوجوان اِس تن پروری سے کام نہین چلیگا۔" بولا۔

"من نہ باختیار خودمے روم از قفائے او   آن دو کمان عنبرین مے بردم اُشان کشان

اے شبلی میرا تو اسی وضع مین نشو و نما ہوا ہے۔ اس لیے میری اِس فروگذاشت کو معاف کرو۔"

مین نے پوچھا "اچھا یہ سیب کیون سونگھ رہے ہو؟" بولا "تاکہ بادِ خیز صحرا کی خونخوار بادِ سموم سے نجات اور فرحت حاصل ہو۔ اس لیے کہ مین پھولون کی خوشبو کا عادی ہو رہا ہون گو دلبرون کے ساتھ رہا ہون۔ اور دل کی کلی کِھلتی رہی ہے۔" مین نے کہا "اچھا آؤ ہم تم اُس سفر مین ساتھ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہین۔" بولا "خدا کی قسم یہ نہ ہوگا۔ تم خرقہ پوش مین جُرعہ نوش۔ مین خراباتی تم مناجاتی کل بھی جام مے گلگون اُڑا چکا ہون۔ اور اس وقت تک خمار کا اثر باقی ہے۔ بھلا میرا تمھارا نباہ کیونکر ہوگا۔" یہ جواب سُن کے مین اُس سے جُدا ہو گیا۔ اور پھر راستے بھر اُس سے ملنے کا اتفاق نہین ہوا۔ یہان تک کہ قافلہ مکۂ معظمہ مین پہونچا۔ وہان ایک دن جبکہ بڑی سخت گرمی تھی کیا دیکھتا ہون کہ وہی نوجوان میزاب (کعبہ شریف کے پرنالے) کے نیچے پڑا ہوا ہے چہرہ زرد اور مُرجھایا ہوا۔ ناتوان اور بیمار۔ نہ وہ کپڑے ہین۔ نہ وہ دستار ہے۔ نہ وہ جوتیان ہین۔ مگر وہی سیب ہاتھ مین ہے جسے ناک کے پاس لیجا کے سونگھتا اور یہ شعر پڑھتا ہے۔

مین مجھے ایک دلچسپی ہے اور اس فکر مین مزہ ملنے لگا ہے۔ جب اُس نے یہ کہا تو مین اُسے چھوڑ کے چلا آیا۔ اس کے بعد رات بھر مین مسجد حرام کے اطراف و جوانب مین مصروف عبادت و ذکر رہا صبح کو جب خانۂ کعبہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ لوگ اُس شکستہ خاطر جوان کی لاش کو حطیم کے پاس سے اُٹھا کے دفن کرنے کے لیے کندھون پر لیے جاتے ہین۔ ایک محرم راز حقیقت سے اُس کی حالت پوچھی تو اُس نے یہ شعر پڑھا۔

عاشقان کشتگان معشوقند　　　برنیاید ز کشتگان آواز

اگلے تصانیف ہی پر موقوف نہین۔ آج تک جو کتابین تصوف اور روحانی اخلاق مین لکھی جاتی ہین اُن مین حضرت شیخ ابوبکر شبلی کے اقوال و افعال سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اُٹھایا جاتا ہے۔

حِکم

آپ کے حِکم و لطائف دریائے معرفت کے وہ موتی ہین جو بہت گہرا غوطہ لگا کے نکالے گئے ہین۔ اُن سے ایک طرف تو آپ کے غرق توحید اور شناور دریائے حقیقت ہونے کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اِس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آیات و احادیث وغیرہ مین آپ اپنی ذہانت و طباعی سے کیسے اچھے معنی نکال لیا کرتے تھے جو ظاہری معنون سے الگ اور اہل تصوف کے روحانی مذاق کے موافق ہوتے۔

ع۵ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔

(۱۱) جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ خود بار عذاب کرے تو اُسے عارف کے دل میں لاتا ہو۔
(۱۲) کسی نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ کیونکہ پہچانتا تو پھر غیر میں نہ مشغول ہوتا۔
(۱۳) علم ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنی ذات سے اپنے نفس کو تمائز کرکے پہچانے۔
(۱۴) عبارت کی علم زبان ہو۔ اور اشارت معرفت کی زبان۔
(۱۵) ہمت صرف خدا کا طلب کرنا ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے ہمت نہیں۔
(۱۶) صاحب ہمت کسی چیز پر مائل نہیں ہوتا۔ مگر صاحب ارادہ جلد مائل ہوجاتے ہیں
(۱۷) جمعیت کلی کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور وہ وحدانیت کی ایک صفت ہے
(۱۸) مذکور کے مشاہدے کے وقت ذکر کو بھول جانا افضل ترین ذکر ہے۔
(۱۹) حق تعالے کے ساتھ بیٹھنا بغیر کلمہ و کلام کے ہے۔
(۲۰) صابر اہل درگاہ سے ہے۔ راضی اہل پیشگاہ سے ہے۔ اور مفوض (اپنے آپکو خدا پر چھوڑ دینے والا) اہل بیت سے ہے۔
(۲۱) صادق کی علامت یہ ہے کہ حرام کو مُنہ سے الگ پھینکے۔
(۲۲) اُنس یہ ہے کہ بندے کو اپنے سے وحشت ہو۔
(۲۳) جو ذکر سے اُنس رکھتا ہے وہ اُس کے برابر کب ہوسکتا ہو جو خود مذکور سے اُنس رکھتا ہو
(۲۴) ہر نعمت کے نیچے تین مکر ہیں۔ اور ہر عبادت کے نیچے چھ مکر۔
(۲۵) قرب کی علامت ماسوای اللہ سے قطع کرنا ہے۔
(۲۶) جوانمردی یہ ہو کہ خلقت کی مصلحت کو تو اپنی مصلحت کے مثل بلکہ اُس سے بڑھ کر چاہے
(۲۷) بندہ جو سانس اپنے مالک حضرت جل جلالہ کی موافقت میں لیتا ہو وہ تمام عابدوں کی قیامت تک کی عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

خاتمۃ الطبع

"سلسلۂ مشاہیر اسلام" کا یہ دوسرا نمبر معزز و محترم اور صاحب ذوق ناظرین کی خدمت
میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کہ آپ ولائفین۔ ایک حضرت جنید بغدادیؒ کی اور ایک حضرت
ابو بکر شبلیؒ کی شایع ہو گئیں۔ جو بہت تنقید و تحقیق اور عرقریزی و جانکاہی سے مرتب کی گئی ہیں جنید
بغدادی کے سوانح عمری کو اعلیٰ واونٰی طبقہ کے لوگوں نے پسند کیا اور بڑی خوشی کی یہ بات ہے کہ
[illegible] خیال کے لوگوں نے تو خلعت قبولیت عطا فرمایا ہی نئی خیال والوں اور نئی تعلیم پائے ہوئے نوجوانوں نے بھی قدر کی
ارادہ تھا کہ اب بھی ہم کسی پرانے صوفی صافی مشرب کے حالات کی طرف توجہ کریں مگر جناب شاہ
[illegible] سجادہ نشین درگاہ [illegible] شریف کے اصرار اور بہت سے دیگر حضرات کی تاکید سے ہم نے جماعت
صوفیہ [illegible] کے علما [illegible] حضرت شیخ ابو الحسن اشعریؒ کی لائف مرتب کرنا شروع کر دی ہے۔
[illegible] اس لائف کی بے انتہا ضرورت [illegible] ساری دنیا کے اہل سنت حنفی ہوں یا شافعی یا مالکی ہوں یا حنبلی
اصول و عقائد میں سب حضرت ابو الحسن اشعری کے [illegible]
کی ہو کسی سے نہ ہو سکی تھی جب فلسفۂ یونان کا اسلام سے [illegible] تمام محدثین و فقہا [illegible]
میں پڑتا تھا۔ اور عوام صراط مستقیم سے بھٹکے جاتے تھے اسوقت ابو الحسن اشعری اٹھے اور تمام مخالفین کو پامال
کر کے ملت بیضا کو سب پر غالب کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ جیسی فتح اسلام کو دیگر ادیان کے مقابلہ میں حضرت عمر
فاروقؓ کے ہاتھوں تلوار سے حاصل ہوئی تھی ویسی ہی فتح فلسفۂ یونان و دیگر [illegible] کے مقابلہ میں اسلام
کو ابو الحسن اشعری کے ہاتھوں قلم سے حاصل ہوئی۔ یہ لائف امید ہے کہ جلد مرتب ہو کے شائع ہو جائے۔ مگر [illegible]
سکے قریب سے [illegible] بڑھتا نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہم ابھی یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کی قیمت کیا ہو گی۔ تیار ہوتے ہی حسب قاعدہ اجازت
ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے تمام خریداران جنید و شبلی کی خدمت میں وی۔ پی بھیجی جائے گی۔

خاکسار۔ منیجر دلگداز۔